اربعین ثنائی

مجموعہ احادیث شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ علیہ

مترجم وشارح

شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز دامت برکاتہم

كتاب وسنت كی اشاعت كا مثالی ادارہ

اربعین ثنائی

مجموعہ احادیث شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

ترجمہ وتشریح .... شیخ الحدیث مولانا محمد علی جانباز دامت برکاتہم

تخریج .... محمد اشتیاق شاہد

پہلا ایڈیشن .... جولائی 2008ء

کمپوزنگ .... 0321-416 22 60 حافظ عبدالوہاب

پاکستان میں ہماری کتب مندرجہ ذیل اداروں سے مل سکتی ہیں

• لاہور: دارالاندلس۔ مرکز القادسیہ 7230549۔ دارالسلام شوروم 7232400۔ مکتبہ قدوسیہ 7230585۔ مکتبہ سلفیہ 7237184۔ کتاب سرائے 7320318۔ اسلامی اکیڈمی 7357587۔ نعمانی کتب خانہ 7321865۔ مکتبہ رحمانیہ 7224228۔ مکتبہ دارالسلام 7639567۔

• راولپنڈی: تحصیلات اہلحدیث کشمیری بازار۔ 5535168۔ • اسلام آباد: المسعود اسلامک سنٹر 2281356۔

• کراچی: دی بک اسٹری بیٹرز 7787137، مکتبہ دارالقرآن، 021-2211998، علمی کتب خانہ اردو بازار۔

• فیصل آباد: مکتبہ اسلامیہ بیرون امین پور بازار، 631204۔ مکتبہ اہلحدیث امین پور بازار 0300-6628021,041-2628292

• پشاور: معراج کتب خانہ 214720۔ • حیدر آباد: مکتبہ دعوت السلفیہ 0333-2607264

• سیالکوٹ: مکتبہ رحمانیہ، ناصر روڈ سیالکوٹ 052-4591911

دارالابلاغ پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

رحمن مارکیٹ، غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور فون: 042-7038771, 00300-4453358

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فہرست

- عرضِ ناشر 8
- سبب تالیف 9
- حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ 11
- تحصیل علم 11
- فراغت کے بعد 12
- ا۔ آریہ 12
- ۲۔ عیسائی 12
- ۳۔ قادیانی 13
- تصانیف 13
- ہفت روزہ اہلحدیث 14
- ہجرت 14
- وفات 14
- مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ 16
- حدیث اربعین اور اربعینات کا تعارف 18
- علمائے برصغیر کی اربعینات 26
- زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے کو والے کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جنت کی بشارت 34
- زبان پر قابو رکھو 36

- مسلمان کی بے حرمتی کا گناہ 39
- گالی کی پہل کرنے والے پر گناہ 42
- چغل خور کے بارے میں وعید 44
- سچ کی جزا اور جھوٹ کی سزا 45
- جنت اور جہنم میں لے جانے والے کام 46
- جھوٹے لطیفوں کے ذریعے لوگوں کو ہنسانے والے کے بارے میں وعید 48
- خاموشی نجات کا ذریعہ ہے 49
- کلام کی قسمیں 51
- حسن اسلام کیا ہے؟ 51
- جھوٹ کی بدبو سے بیزاری 54
- دورویہ کے بارے میں وعید 56
- مومن کا وصف 58
- تائب کو طعنہ دینے کا گناہ 60
- مسلمان لعنت نہیں کرتا 64
- مؤمن جھوٹ نہیں بولتا 64
- نبی مکرم ﷺ کی تعریف کو حد سے نہ بڑھانا 65
- جاہلیت کی باتوں پر فخر نہ کرنا 69
- بڑا بدنصیب کون ہے؟ 71
- ماں کا حق باپ پر 72
- کبیرہ گناہوں کا ذکر 74
- والدین کو گالی نہ دو 79

- قطع رحمی جنت کے راستے میں رکاوٹ 80
- قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی 81
- والدین کی خوشنودی 82
- ناتا توڑنے والے اللہ کی رحمت سے محروم رہتے ہیں 83
- دوسروں پر رحم کرنے والے ہی اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں 84
- ماں کی خدمت بڑے سے بڑے گناہ کی معافی کا ذریعہ 86
- بچیوں کی پرورش کی فضیلت 87
- تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں 88
- مسلمان ظالم ومظلوم کی مدد کرو 90
- مسلمان کی خیر خواہی اور حاجت روائی کرنا 92
- ہمسایہ کو تنگ نہ کرو 93
- پڑوسی کو تکلیف دینے والا جنت نہ جائے گا 95
- پڑوسی کے بارے میں جبرائیل کی مسلسل وصیت اور تاکید 95
- دین الٰہی خیر خواہی کا نام ہے 99
- تین آدمیوں کی عزت کرنے کا ذکر 102
- یتیموں سے شفقت کرنا 106
- یتیموں کو کھانا کھلانا 108
- مسلمان کو بے عزتی سے بچانا 110

عرضِ ناشر

سبب تالیف

شیخ الاسلام حضرت مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری مرحوم کا اسمِ گرامی کسی تعارف کا محتاج نہیں کیونکہ آپ کو دینی اور علمی حلقہ میں دنیا جانتی ہے آپ کا جریدہ ''ہفت روزہ اہلحدیث'' تقریباً نصف صدی سے اندرون و بیرون ملک دینی و ملکی خدمت کے لیے مصروف کار رہا ہے اسی جریدہ کی جلد نمبر: ۲۶ شمارہ نمبر: ۴۱ ..... ۱۹ اگست ۱۹۲۹ء بمطابق ۳ ربیع الاول ۱۳۴۸ھ میں ایک مضمون بعنوان اربعین ثنائیہ شائع ہوا تھا یہ مضمون لوگوں کی نظروں سے اخبار کی فائلوں میں پردہ اخفاء میں محفوظ تھا، میرے عم محترم حضرت مولانا محمد سلطان عازم رحمۃ اللہ علیہ نے جب اس مضمون کو دیکھا تو خیال پیدا ہوا کہ یہ اربعین افادہ عام کے لیے برسرِ عام لائی جائے تا کہ عام لوگوں کو فائدہ ہو اور مؤلف مرحوم اور بندہ عاجز (عم محترم) کے لیے باقیات صالحات میں شمار ہو جائے۔

اس خیال سے میرے عم محترم نے ان چالیس احادیث کو جمع کیا اور احادیث کے مضمون کے مطابق عنوانات قائم کیے اور قارئین کی سہولت کے لیے احادیث پر اعراب بھی لگا دیے اور ترجمہ وہی رکھا جو مرحوم نے لکھا تھا۔

اور اربعین کے شروع میں مختصر عربی خطبہ بھی لکھ دیا اور ''اربعین ثنائی'' کے لکھنے کے اسباب جو شیخ مرحوم کے قلم سے مرقوم تھے وہ بھی ساتھ ہی شامل کر دیے اور ''اربعین ثنائی'' کو ایک رسالہ کی صورت میں اپنے خرچ پر طبع کروا دیا۔

یہ رسالہ دیکھ کر مجھے شوق پیدا ہوا کہ میں بھی اس سلسلہ میں اپنی حقیر سی خدمت پیش کر دوں، چنانچہ میں نے ان چالیس احادیث کی مختصر شرح لکھی جو طبع ہو کر قارئین کے ہاتھوں میں ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت مولانا امرتسری رحمۃ اللہ علیہ اور میرے عم محترم اور مجھ عاجز کی اس کاوش کو شرفِ قبولیت بخشے اور ہم سب کو ان پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

العبد العاجز

محمد علی جانباز

نومبر ۲۰۰۷ء

حضرت مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

شیخ الاسلام مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری مرحوم ومغفور ماضی قریب کی ایک ایسی عظیم اور عبقری شخصیت تھے جن کی نظیر خال خال ہی منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوتی ہے، آپ کو للہ تعالیٰ نے علوم وفنون کے اندر گہری بصیرت، ژرف نگاہی، حزم وتدبر، مومنانہ فراست، دور اندیشی، معاملہ فہمی، جفاکشی، صبر وحلم، نرم گفتاری، شرف کلامی، زور خطابت اور جولانی قلم کی بے پایاں خوبیوں کے ساتھ ساتھ ایک ایسے جوہر بے بہا سے بھی نہایت فیاضی کے ساتھ نوازا تھا جو آپ کو آپ کے تمام ہم عصروں سے ممتاز کرتا تھا اور یہ جوہر تھا شریعت مطہرہ کے حفظ ودفاع کے لیے اہل باطل کے پر فریب دلائل، دجل آمیز تحریفات اور جھوٹے وغلط دعوؤں ابطال واستیصال کا۔

مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ جون ۱۸۶۸ء بمطابق ۱۲۷۷ھ کو امرتسر میں پیدا ہوئے، ان کے والد کا نام خضر تھا۔ مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ سات سال کے تھے کہ سایہ پدری سے محروم ہو گئے، آپ کے بڑے بھائی ابراہیم تھے جنہوں نے آپ کو رفوگری پر لگا دیا، چودہ سال کے ہوئے کہ والدہ کا بھی انتقال ہو گیا۔

تحصیل علم:

۱۴ سال کی عمر میں مولانا کو پڑھنے کا شوق پیدا ہوا اور آپ مولانا احمد اللہ رئیس امرتسر کے مدرسہ تائید الاسلام میں داخل ہو گئے اور درسِ نظامی کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

ان دنوں وزیر آباد میں اُستاد پنجاب مولانا حافظ عبدالمنان رحمۃ اللہ علیہ محدث وزیر آبادی کا درس جاری تھا، آپ امرتسر سے وزیر آباد پہنچے اور مولانا حافظ عبدالمنان رحمۃ اللہ علیہ سے تفسیر، حدیث، فقہ اور دوسرے علوم میں تحصیل حاصل کی۔

وزیر آباد سے تکمیلِ علم کے بعد آپ دہلی حضرت شیخ الکل مولانا سید محمد نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور استاد کی سند دکھا کر آپ سے اجازت تدریس حاصل کی۔ دہلی سے آپ سہارن پور مدرسہ مظاہر العلوم میں پہنچے، اس مدرسہ میں کچھ عرصہ قیام کے بعد دیوبند تشریف لے گئے، دیوبند میں آپ نے شیخ الہند مولانا محمود الحسن رحمۃ اللہ علیہ (اسیر مالٹا) سے علوم عقلیہ ونقلیہ اور فقہ وحدیث کی تعلیم حاصل کی۔

فراغت کے بعد:

کان پور سے تحصیل علم کے بعد مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ اپنے وطن امرتسر واپس آ گئے اور مدرسہ تائید الاسلام میں جہاں سے آپ نے تعلیم کا آغاز کیا تھا درس وتدریس پر مأمور ہو گئے اور ۶ سال تک آپ وہیں پڑھاتے رہے۔

مولانا ثناء اللہ رحمۃ اللہ علیہ آغاز عمر ہی سے مختلف مذاہب اور مکاتب فکر کے عقائد وخیالات کی تحقیق وتنقیح کا عمدہ ذوق رکھتے تھے، اس لیے آپ نے تدریسی وتصنیفی مصروفیات کے باوجود اہل باطل کی تردید وبیخ کنی کا بیڑا اٹھایا، چنانچہ آپ اپنے اس مشن میں پوری طرح کامیاب وکامران ہوئے آپ نے جس فضا میں آنکھ کھولی تھی اس میں اسلام کے تین دشمن اپنی پوری قوت کے ساتھ اسلام پر حملہ آور نظر آ رہے تھے۔

۱۔ آریہ:

آریہ سماج نے ملک میں انتشار پھیلا رکھا تھا، آئے دن اسلام اور پیغمبر اسلام کے خلاف دل آزار کتابیں شائع کرتے رہتے تھے اور سرزمین ہند سے اسلام کا نام ونشان مٹا دینے کا عزم رکھتے تھے۔

۲۔ عیسائی:

عیسائی جنہوں نے ۱۸۵۷ء میں مکمل سیاسی غلبہ حاصل کر لینے کے بعد اسلامی افکار

عقائد اور تمدن وثقافت کے خلاف انتہائی جارحانہ رویہ اختیار کر رکھا تھا۔ ان کے پادری بر صغیر میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک دندناتے پھرتے تھے اور ان کی تحریری تقریری جارحیت سے مسلم قوم بلبلا رہی تھی۔

۳۔قادیانی:

قادیانی جو سامراج کا خود کاشتہ پودا تھا اور جن کے سربراہ اکبر مرزا غلام احمد قادیانی کے تازہ بتازہ دعوئے میسحیت سے اسلامی حلقوں میں ہلچل مچی ہوئی تھی۔

ان تینوں طبقوں کے علاوہ شیعہ، بدعتی اور اسلام سے نسبت رکھنے والے اور کئی متعدد فرقے تھے جنہوں نے اسلام کے دفاعی مورچے میں خانہ جنگی کی کیفیت برپا کر رکھی تھی۔
مولانا مرحوم نے تحصیل علم کے بعد میدانِ جہاد میں قدم رکھا اور زندگی بھر نہایت کامیابی سے اسلام کی جنگ لڑتے رہے۔

علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

> ''اسلام اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف جس نے بھی زبان کھولی، اور قلم اٹھانے کی جسارت کی ان کے حملے کو روکنے کے لیے مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ کا قلم شمشیر بے نیام ہوتا تھا اور اسی مجاہدانہ خدمات میں انہوں نے عمر بسر کر دی۔''

تصانیف:

مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ امرتسری نے مختلف موضوعات پر جو کتابیں لکھیں ان کی کل تعداد تقریباً ۱۷۴ ہے ان میں سے چند ایک قابلِ ذکر یہ ہیں:

① تفسیر ثنائی (اردو)
② تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن (عربی)
③ فتاوی ثنائیہ
④ اربعین ثنائیہ

⑤ فضائل النبی ﷺ ⑥ شریعت اور طریقت

⑦ برہان القرآن ⑧ اسلام اور مسیحیت

⑨ عید میلاد کی شرعی حیثیت ⑩ حق پر کاش بجواب ستیارتھ پرکاش

ہفت روزہ اہلحدیث:

ہفت روزہ اہلحدیث مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ نے ۱۳ نومبر ۱۹۰۳ء جاری کیا اور یہ اخبار مسلسل چوالیس سال تک باقاعدہ جاری رہا۔ یہ اخبار کسی جذبے کے تحت جاری ہوا تھا، مولانا مرحوم خود فرماتے ہیں:

''جب مذہبی تبلیغ کی ضرورت روز بروز بڑھتی نظر آئی اور تصنیف کتب کا کام ناکافی ثابت ہوا تو اخبارِ اہلحدیث جاری کیا گیا، جس میں ہر غلط خیال کی اصلاح کی جاتی اور غیر مسلم کے حملہ کا جواب دیا جاتا ہے۔''

اس کا آخری شمارہ ۳ اگست ۱۹۴۷ء کو شائع ہوا، اس اخبار نے اسلام کی اشاعت اور ادیانِ باطلہ کی تردید میں نمایاں خدمات سرانجام دیں۔

ہجرت

۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو جب پاکستان معرضِ وجود میں آیا مولانا ثناء اللہ رحمہ اللہ ۱۳ اگست ۱۹۴۷ء کو ہی ہجرت کر کے ملک کی آزادی میں اپنے اکلوتے بیٹے مولوی عطاء اللہ کی قربانی دے کر لاہور تشریف لائے، لاہور میں کچھ دن قیام کے بعد گوجرانوالہ میں مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ کے ہاں ٹھہرے اور جنوری ۱۹۴۸ء میں گوجرانوالہ سے سرگودھا تشریف لے گئے۔

وفات:

بیٹے کی شہادت اور قیمتی کتب کی بربادی سے آپ بہت نڈھال ہو گئے تھے اور ان

صدموں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۳ فروری ۱۹۴۸ء کو آپ پر فالج کا حملہ ہوا اور چھ روز بعد ۱۵ مارچ ۱۹۴۸ء کی صبح علوم اسلامیہ کا درخشاں اور چمکتا دمکتا آفتاب ومہتاب سرگودھا کی سرزمین میں ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

ابو الوفاء مولانا ثناء اللہ امرتسری ۱۸۶۸ء کو امرتسر میں پیدا ہوئے۔ آپ کا جدی وطن کشمیر تھا۔ آپ کے والد ماجد کا نام شیخ خضر تھا جو پشمینہ کا کاروبار کرتے تھے۔ آپ کے والد محترم ۱۸۶۰ء میں ڈوگرہ راج کی ستم ظریفیوں سے تنگ آ کر بغرض تجارت امرتسر چلے گئے اور وہیں سکونت اختیار کی۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری چودہ برس کی عمر میں والد ماجد کے سایہ شفقت سے محروم ہو گئے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری نے علوم دینیہ حاصل کرنے کے لیے بڑی محنت شاقہ اور جانفشانی سے کام کیا۔ آپ نے بہت سے شیوخ اور محدثین وقت سے کسب فیض کیا۔ جن میں سے سرفہرست مولانا غلام رسول قاسمی، مولانا احمد اللہ، حضرت الشیخ امرتسر، مولانا احمد حسن کانپوری، حافظ عبدالمنان وزیرآبادی اور استاد المحدثین محدث میاں نذیر حسین دہلوی کا نام شامل ہے۔

آپ ممتاز عالم دین، مناظر اور مفسر قرآن تھے آپ نے اپنے مسلک کی ترویج اور فروغ کے لیے تمام تر زندگی وقف کر رکھی تھی۔

مولانا ابو الوفاء ثناء اللہ امرتسری نے اخبار اہلحدیث جاری کیا اور بہت سی کتابیں لکھیں، فن مناظرہ میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔ انہوں نے سینکڑوں کامیاب مناظرے کیے۔ آپ کی شہرہ آفاق تصانیف میں سے تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن (عربی) اور دوسری تفسیر، تفسیر ثنائی (اردو) ہے۔

مولانا ثناء اللہ امرتسری تقسیم ملک کے بعد سرگودھا میں مقیم ہوئے اور تاحیات اسی جگہ کو

اپنا مسکن بنائے رکھا۔ اور بالآخر ۱۹۴۸ء کو بعارضہ فالج پیغام اجل کو سینے سے لگائے اس دنیا فانی سے رخصت ہو گئے۔

اللہ سے دعا ہے کہ اللہ تعالی ان پر اپنی بے شمار رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین

طالب دعا

محمد اشتیاق جامعہ رحمانیہ

سیالکوٹ

اپریل ۲۰۰۸ء

حدیث اربعین اور اربعینات کا تعارف

جمع وحفاظت قرآن مجید کے بعد احادیث نبویہ اور سنن رسول اللہ ﷺ کے جمع وضبط، حفاظت وصیانت پر جن احوال وظروف اور ارشاداتِ خاتم الانبیاء نے صحابہ کرام اور تابعین عظام کو آمادہ کیا ہے اُن میں اُن بشارتوں کا بھی ایک خاص مقام ہے جن کی وجہ سے علماء امت کے لیے صحرائے احادیث کے سنگ پاروں اور بحر آثار کے قطروں کو محفوظ کرنا ایک اہم علمی وظیفہ اور دینی خدمت بن گیا۔ مثلاً نضر اللّٰہ عبدا سمع مقالتی فحفظھا ووعاھا واداھا ...الخ. اورنضر اللّٰہ امرأ سمع منا شیئا فبلغه کما سمع...الخ. اورمن حفظ علی امتی اربعین حدیثا من امردینھا بعثه اللّٰہ یوم القیامة فی زمرة الفقھاء والعلماء وغیرھا.

نبی رحمت ﷺ نے چالیس حدیثوں کے حفظ ونقل پر جو عظیم بشارت دی ہے اس کے پیش نظر خیرالقرون سے اب تک بے شمار لوگوں نے احادیث کی حفاظت کی اور زبانی یا تحریری طریقہ سے دوسروں تک پہنچانے کا اہتمام کیا۔ چنانچہ فن حدیث کا ہر طالب علم جانتا ہے کہ کتب احادیث کے اقسام میں محدثین نے ایک خاص قسم ''اربعینات'' بھی ذکر کی ہیں ان اربعینات کا تعارف پیش کرنے سے قبل مذکورہ بالا حدیث اربعین کے کچھ متعلقات ذکر کرنا مناسب اور مفید ہوگا۔

یہ حدیث امام محی الدین ابوزکریا یحیٰی بن شرف النووی رحمۃ اللہ علیہ کے بقول کئی صحابہ کرام، حضرت علی رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ، انس بن مالک رضی اللہ عنہ، ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ، ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما، اورعبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہم سے مختلف الفاظ کے ساتھ کئی طرق سے مروی ہے۔ حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''کنت له یوم القیامة شفیعا وشھیدا'' ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''قیل له

ادخل الجنة من أی أبواب الجنة شئت'' آیا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت میں ''کتب فی زمرة العلماء وحشر فی زمرة الشهداء'' منقول ہے ۔ اورابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''ادخلته یوم القیامة فی شفاعتی'' وارد ہے ۔ نیز بعض روایات میں ''اربعین حدیثا من السنة یامن سنتی'' کا لفظ ہے۔ اور بعض میں '' من حفظ علی أمتی'' کے بجائے ''من حمل من امتی''کا لفظ پایا جاتا ہے۔ [جامع الصغیر للسیوطی ، الاربعین للنووی]

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تیرہ (۱۳) صحابہ کرام سے وارد ہوئی ہے۔ ابن جوزی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''کتاب العلل'' میں ان تمام کی تخریج کی ہے ، اورامام منذری رحمۃ اللہ علیہ نے اس حدیث پر مستقل رسالہ تصنیف کیا ہے۔ [تلخیص ص ۲٦٩]

علامہ عبدالرؤف مناوی رحمۃ اللہ علیہ صاحب ''فیض القدیر'' میں حدیث کے الفاظ مختلفہ کے مابین جمع وتطبیق یا حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اربعین کے حفظ کرنے والے قیامت کے دن مختلف المراتب ہوں گے بعض کا حشر زمرة شهداء میں اور بعض کو علماء میں اور بعض کو بحیثیت فقیہ وعالم اٹھائیں گے اگرچہ وہ دنیا میں ایسا نہیں تھا۔ [شرح اربعین لابن دقیق العید]

حدیث اربعین کا حکم:

علامہ جلال الدین سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے ''جامع الصغیر'' میں بحوالہ ابن النجار اس حدیث کو نقل کر کے اس پر صحیح کی علامت لگائی ہے ۔مگر یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ تمام محققین کا اتفاق ہے کہ یہ خبر اپنے جمیع طرق کے اعتبار سے ضعیف ہے۔ قال ابن حجر......ثم جمعت طرقه فی جزء لیس فیه طریق سلیم من علة قادحة.[فیض القدیر] واتفق الحفاظ علی أنه حدیث ضعیف وان کثرت طرقه. [اربعین للنووی]

مگر چونکہ فضائل میں عمل بالضعیف درست ہے خصوصاً جبکہ کثرت طرق وغیرہ امور

سے حدیث میں قوت آجاتی ہے۔ وقد اتفق العلماء علی جواز العمل بالحدیث الضعیف فی فضائل الأعمال۔ [اربعین للنووی] قال ابن عساکر: الحدیث روی عن علی .... وابی سعید باسانید فیها کلها مقال لیس للتصحیح فیها مجال لکن کثرة طرقه تقویه۔ [فیض القدیر ٦/١٥٤] یہی وجہ ہے کہ فضیلت وثواب کی تحصیل اورسعادت اخروی کے حصول کی خاطر علمائے امت نے اربعین پر اتنی تصنیفات وتالیفات کی ہیں کہ لاتعد ولاتحصی۔

عمل بالاربعین کی لطیف صورت:

علامہ مناوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جس طرح حدیثِ زکوۃ ربع عشر بقیہ مال کی تطہیر پر دلالت کرتی ہے اسی طرح ربع عشر پر عمل بقیہ احادیث کو غیر معمول بہا ہونے سے خارج کر دیتا ہے۔ چنانچہ بشر حافی فرماتے تھے اے اصحاب حدیث! ہر چالیس میں سے ایک حدیث پر عمل کرلو۔ [شرح اربعین لابن دقیق العید]

کتب اربعین مطبوعات کی تعداد:

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے اس سلسلہ میں عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف کی ہے پھر محمد بن اسلم طوسی رحمۃ اللہ علیہ عالم ربانی نے پھر حسن بن سفیان نسائی نے اور امام ابوبکر آجری، ابوبکر اصفہانی، دارقطنی، حاکم، ابونعیم اور ابوعبدالرحمٰن سلمی وغیرہم متقدمین ومتأخرین کی بڑی تعداد نے تصنیف کی ہے۔ نیز ہر ایک کے اغراض ومقاصد مختلف اور طرز انتخاب بھی جداگانہ ہے کسی نے اصولِ دین کے مضمون کو بنیاد بنایا، کسی نے فروعی مسائل سے تعرض کیا۔ کسی نے جہاد میں حصہ لیا تو کسی نے زہد اختیار کیا۔ اور کسی نے آداب زندگی کو مطمع نظر رکھا تو کسی نے خطبہ کو موضوع بنایا۔ بعض نے اختصار وایجاز کا طریقہ اختیار کیا تو بعض نے جوامع الکلم کو ظاہر وروشن کیا۔ بعض نے صحتِ احادیث کا التزام کیا تو بعض

نے حسن وضعیف روایت کو بھی جگہ دی۔ حتیٰ کہ بعض نے صرف اس کا اہتمام کیا کہ احادیث طعن وقدح سے سالم ومحفوظ ہو خواہ کسی بھی مضمون سے متعلق ہو۔ پھر اسی پر بس نہیں بلکہ بعض لوگوں نے جدت طرازی، غرابت پسندی اور تلقن مزاجی کا بھی ثبوت دیا ہے جس سے پڑھنے والوں کو علمی بالیدگی، ذہنی نشاط اور قلبی انشراح کا ہونا ظاہر ہے تاکہ سنت پر عمل کا داعیہ پیدا ہو غرضیکہ جس نے بھی امت کی نفع رسانی کے لیے چالیس احادیث ان تک پہنچائی اور خود بھی ان پر قائم اور عمل پیرا رہا وہ ان شاء اللہ اس فضیلت کا مستحق ہوگا۔

{ فیض القدیر ج٦، اربعین نووی }

صاحب کشف الظنون علامہ مصطفیٰ بن عبداللہ معروف بکاتب چلپی متوفی ١٠٦٧ھ نے حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ سے اپنے زمانہ تک کے مشاہیر علماء میں سے تقریباً ٧٥ علماء کی نوے (٩٠) سے زائد اربعینات کا ذکر کیا ہے ان میں سے یہاں چند کا تعارف ان کی مختلف الجہتہ موضوع کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے۔

١۔ اربعین لابن المبارک المتوفی ١٨١ھ: امام نووی فرماتے ہیں کہ میرے علم کے مطابق یہ پہلی اربعین ہے جو تصنیف کی گئی ہے۔

٢۔ اربعین لابی بکر البیہقی: امام ابوبکر شمس الدین احمد بن حسین الشافعی البیہقی متوفی ٤٥٨ھ کی تصنیف ہے اس میں سو احادیث اخلاق کو ٤٠/ابواب پر مرتب فرمایا ہے۔

٣۔ اربعین الطائیہ: ابوالفتوح محمد بن محمد بن علی الطائی الہمدانی متوی ٥٥٥ھ کی ہے اس میں مصنف نے اپنی مسموعات میں سے چالیس حدیثیں چالیس شیوخ سے املاء کرائی ہیں اس طرح سے کہ ہر حدیث الگ صحابی رضی اللہ عنہ سے ہے پھر ہر صحابی رضی اللہ عنہ کی سوانح حیات ان کے فضائل اور ہر حدیث کے فوائد مشتملہ الفاظ غریبہ کی تشریح اور پھر چند مستحسن جملے ذکر کئے ہیں اس کتاب کا نام اربعین فی ارشاد السائرین الی منازل

الیقین رکھا بقول علامہ سمعانی کتاب بہت خوب اور عمدہ ہے جس کا تعلق علوم حدیث، فقہ ادب اور وعظ سے ہے۔

۴۔ اربعینات لابن عساکر: ابوالقاسم علی بن حسن الدمشقی الشافعی المتوفی ۵۷۱ھ نے کئی اربعین لکھی ہیں: (۱) اربعین طوال (۲) اربعین فی الابدال العوال (۳) اربعین فی الاجتہاد فی اقامۃ الحدود (۴) اربعین بلدانیہ۔ اربعین طوال میں چالیس ایسی طویل حدیثیں جمع کی ہیں جو نبی اکرم ﷺ کی نبوت پر دلالت کرتی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے فضائل کو بھی بتلاتی ہیں۔ ساتھ ساتھ ہر حدیث کی صحت وسقم کو بھی ظاہر کیا ہے۔

۵۔ اربعین بلدانیہ: ابوطاہر احمد بن محمد السلفی الاصبہانی متوفی ۵۷۶ھ نے چالیس حدیثیں چالیس شیوخ سے چالیس شہروں میں جمع کی ہیں۔ ابن عساکر نے ان کی اتباع میں ایسی بھی ایک اربعین لکھی اور اس پر یہ اضافہ کیا کہ ان حدیثوں کو چالیس صحابہ کرام سے چالیس بابوں میں ذکر کیا۔ چونکہ ہر حدیث کے مالہ وماعلیہ پر کلام بھی کیا ہے۔ اس سے ہر باب گویا مستقل کتابچہ بن گیا ہے۔

۶۔ اربعین فی اصول الدین: امام فخر الدین محمد بن عمر الرازی متوفی ۶۰۶ھ نے اس کو اپنے فرزند محمد کے لیے تصنیف کیا تھا جسے علم کلام کے چالیس مسائل پر مرتب کیا ہے۔

۷۔ الاربعین فی اصول الدین: ابوحامد محمد بن محمد الغزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے، جو تصوف کے مسائل پر مشتمل ہے۔

۸۔ الاربعین: موفق الدین عبداللطیف بن یوسف الحکم الفیلسوف البغدادی متوفی ۶۲۹ھ نے طب نبوی پر جمع کیا ہے۔

۹۔ الاربعین: محمد بن احمد الیمنی البطال متوفی ۶۳۰ھ نے اس میں صبح وشام کے اذکار ذکر کیے ہیں۔

۱۰۔ الاربعین المختارہ فی فضل الحج والعمرۃ والزیارۃ: حافظ جمال الدین الاندلسی متوفی ۶۶۳ھ کی ہے (اس نوع کی ایک اربعین شاہ محمد اسحاق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بھی ہے۔)

۱۱۔ اربعین للنووی: ابوزکریا محی الدین یحییٰ بن شرف النووی الشافعی متوفی ۶۷۶ھ نے تالیف کی ہے اس میں امام نووی نے متقدمین علماء کے مقاصد منفردہ کو یکجا کر دیا ہے یعنی ایسی حدیثوں کا انتخاب فرمایا ہے جو دین وشریعت کے اصول اور بنیاد ہیں اور اعمال و اخلاق کی اساس اور تقویٰ وپاکیزگی کے لیے مدار ہیں نیز صحت کا بھی التزام کیا ہے بلکہ اکثر احادیث صحیحین سے ماخوذ ہیں۔ آخر میں اربعین پر دو کا اضافہ کر کے غالبًا ان عدد الاربعین للتکثیر لاللتحدید کی طرف اشارہ کر دیا۔

چونکہ یہ اربعین جامع المقاصد تھی اس لیے بعد کے علماء فحول نے اس کی تشریح وتوضیح کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی ہے علامہ چلپی نے تقریباً ۲۰ شارحین کا ذکر کیا ہے جن میں ایک علامہ ابن حجر عسقلانی بھی ہیں جنہوں نے احادیث کی تخریج کی ہے اس کی ایک عمدہ شرح علامہ ابن دقیق العید کی بھی ہے مگر ''کشف الظنون'' میں اس کا ذکر نہیں ہے۔

۱۲۔ اربعین لابن الجزری: شمس الدین محمد بن محمد الجزری الشافعی متوفی ۸۳۸ھ نے اس میں ایسی چالیس حدیثیں ذکر کی ہیں جو اصح، افصح اور اوجز ہیں۔

۱۳۔ اربعینات للسیوطی: علامہ جلال الدین عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی متوفی ۹۱۱ھ نے کئی اربعین تالیف کی ہیں ایک فضائل جہاد میں، ایک رفع الیدین فی الدعاء میں۔ ایک امام مالک کی روایت سے۔ ایک روایت متباینہ میں۔

۱۴۔ اربعین عدلیہ: شہاب الدین احمد بن حجر المکی متوفی ۹۷۳ھ نے اپنی سند سے ایسی چالیس احادیث جمع کی ہیں جو عدل وعادل سے متعلق ہیں۔

۱۵۔ الاربعین عشاریات الاسناد: قاضی جمال الدین ابراہیم بن علی قلشقندی الشافعی متوفی ۹۶۰ھ نے تصنیف کی ہے اس میں انہوں نے ایسی چالیس روایات املاء کرائی ہیں جو سند کے اعتبار سے عالی ہیں حسن کے درجہ تک نہیں پہنچتی ہیں۔

۱۶۔ اربعین لابن العربی: محی الدین محمد بن علی متوفی ۶۳۸ھ نے اسے مکہ میں جمع کیا اس شرط کے ساتھ کہ اس کی سند اللہ تبارک وتعالی تک پہنچتی ہے (یعنی بواسطہ رسول اللہ ﷺ) پھر اس کے بعد اور چالیس روایتیں اللہ تعالیٰ سے نقل کی ہیں اس طرح کہ اس کی سند بغیر رسول اللہ ﷺ کے واسطہ کے اللہ تک پہنچتی ہے۔

۱۷۔ اربعین طاش کبری زادہ: احمد بن مصطفیٰ متوفی ۹۶۸ھ نے اس میں ایسی چالیس حدیثیں ذکر کی ہیں جو رسول اللہ ﷺ سے بطور مزاح ودل بستگی کے صادر ہوئی ہیں۔

۱۸۔ اربعین یمانیہ: محمد بن عبدالحمید القرشی رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو یمن کے فضائل پر مشتمل ہے۔

۱۹۔ اربعین لخویشاوند: ابوسعید احمد بن الطوسی کی ہے اس میں فقراء اور صالحین کے مناقب میں ۴۰ احادیث بیان کی ہیں۔

۲۰۔ اربعین قدسیہ: حسین بن احمد بن محمد التبریزی نے ایسی احادیث کا انتخاب کیا ہے جن کا تعلق اسرار عرفانی اور علوم لدنی سے ہے پھر صوفیاء کے مذاق کے مطابق اس کی شرح کی ہے اور ساتھ ساتھ چالیس حدیث قدسی مع شرح کے اضافہ کیا ہے اس کتاب کا نام ''مفتاح الکنوز ومصباح الرموز'' ہے۔

۲۱،۲۲۔ الاربعین فی فضائل عثمان رضی اللہ عنہ، الاربعین فی فضائل علی رضی اللہ عنہ: یہ دونوں ابوالخیر رضی الدین القزوینی کی ہیں۔

۲۳۔ الاربعین فی فضائل العباس رضی اللہ عنہ: ابوالقاسم حمزہ بن یوسف السہمی الجرجانی متوفی ۴۲۷ھ کی ہے۔

۲۴۔ اربعین عالیہ: شیخ الاسلام حافظ احمد بن حجر العسقلانی الشافعی متوفی ۸۵۲ھ کی ہے اس میں انہوں نے صحیحین میں سے ایسی چالیس حدیثیں ذکر کی ہیں جن میں مسلم کی سند بخاری کی سند سے عالی ہے اس کے علاوہ اربعین متباینہ اوراربعین نووی کی تخریج وغیرہ بھی ہے۔

۲۵۔ الاربعین الالٰہیہ: حافظ ابوسعید خلیل بن کیکلدی متوفی ۷۶۱ھ نے کئی اربعینات تالیف کی ہیں ایک یہی جو تین جزؤں میں ہے، دوسری اربعین فی اعمال المتقین ۴۶/اجزاء میں اورالاربعین المعنعنہ ۱۲/اجزاء میں ہے۔

امیرالمومنین فی الحدیث حضرت ابن المبارک کی اربعین سے لے کراب تک ذخیرہ اربعینات میں سے صرف چند ایک کا تعارف پیش کیا گیا ہے استعیاب مقصود نہیں ہے۔

علمائے برصغیر کی اربعینات

ذیل میں ان اربعینات کا ذکر کیا جاتا ہے جن کو علمائے برصغیر نے تالیف کیا ہے۔

۱۔ اربعین: مسند الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی متوفی ۱۱۷۶ھ نے ایسی چالیس احادیث کا انتخاب فرمایا ہے جو قلیل المبانی وکثیر المعانی یعنی جوامع الکلم کے قبیل سے ہیں۔ شاہ صاحب کی اس اربعین کا منظوم ترجمہ مولانا ہادی علی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے جو تسخیر کے تاریخی نام سے موسوم ہے۔ یہ اربعین رسالہ ''المسلسلات'' میں شامل ہو کر مطبوع ہے۔

۲۔ اربعین ثنائی: حضرت مولانا ابوالوفاء ثناء اللہ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ کی جمع کردہ ہے۔

۳۔ اربعین ابراہیمی: یہ اربعین حضرت مولانا محمد ابراہیم میر سیالکوٹی نے لکھی ہے۔ حضرت مولانا عبدالمجید سوہدوردی نے اس کی ایک شرح لکھی ہے جو مطبوع ہے۔

۴۔ فضائل چہل احادیث: مولانا ابراہیم یوسف باوا، صدیقی ٹرسٹ کراچی۔

۵۔ أربعة وأربعون حديثا: مترجم مولانا محمد علی، ثنائی برقی پریس لاہور۔

اس مجموعے میں چالیس چالیس احادیث چار حصوں میں درج کی گئی ہیں جس کے مرتب ابو اسحاق محمد عجمی ہیں، اس میں کل ایک سو ساٹھ احادیث شریعت وطریقت اور حقیقت ومعرفت کے احکام کے بارے میں بیان کی گئی ہیں۔

۶۔ جہاد اور مجاہدین کے فضائل: مفتی اسرار احمد، صدیقی ٹرسٹ کراچی۔

۷۔ چالیس احادیث مصطفیٰ ﷺ: مولانا اصغر علی شاہ، مرکزی تنظیم تحفظ مقام مصطفیٰ ﷺ، لاہور۔

۸۔ چالیس احادیث نبوی ﷺ: مولانا بشیر احمد ملک، کنز الایمان سوسائٹی، لاہور۔

اس مجموعے میں مختلف عنوانات کے حوالے سے ایسی احادیث جمع کی گئیں ہیں جن

میں رسول اللہ ﷺ نے زندگی کا وہ سیدھا، صحیح، آسان اور روشن راستہ بتایا ہے جس پر چل کر ہم دنیا میں مسرت، راحت، سکون فلاح، اور خوش حالی کی بلندیوں پر پہنچ سکتے ہیں اور آخرت میں بھی خالقِ کائنات کے سامنے سرخرو ہو سکتے ہیں۔

۹۔ چہل حدیث مدنی: محترمہ بیگم نسیم مدنی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی (پاکٹ سائز)۔

۱۰۔ چہل حدیث ونو دنہ نام مبرحم: مولانا چراغ دین، اسلامیہ سٹیم پریس، لاہور۔

۱۱۔ چہل حدیث شریفہ: محترمہ راشدہ پروین، صدیقی ٹرسٹ، کراچی (پاکٹ سائز)۔

اس مجموعے میں نماز کے مسائل خصوصی طور پر بچوں کو سکھانے کے لیے جمع کیے گئے ہیں اور آخر میں چالیس مسنون دعائیں درج کی گئی ہیں۔

۱۲۔ چہل حدیث: محترمہ رخسانہ عثمانی، مکتبہ طارق اکیڈمی، ڈی گراؤنڈ، سموسہ چوک، فیصل آباد۔

۱۳۔ سخنان تابناک: مولانا رضا، ادارہ امور فرہنگی آستان قدس، سازمان چاپ مشہد۔

۱۴۔ اربعین رضویہ: مولانا روح الامین قادری، انجمن جاں نثارانِ مصطفیٰ ﷺ، شورکوٹ۔

اس مجموعے میں ایسی احادیث جمع کی گئیں ہیں جن کے مطالعہ سے نبی مکرم ﷺ کے فیضان کے حصول کے علاوہ عقائد اور دین کے اہم مسائل کے بارے میں خاطر خواہ معلومات حاصل ہوں گی۔

۱۵۔ هدية المسلمين في جمع الاربعين من صلوة خاتم النبيين: مولانا حافظ زبیر علی زئی حفظہ اللہ، مکتبہ السنۃ الدار السلفیہ لنشر التراث الاسلامی، ۱۸ سفید مسجد، سولجر بازار، کراچی۔

اس مجموعے میں رسول اللہ ﷺ کی چالیس مستند حدیثیں مع فوائد وتشریحات جمع کی گئی ہیں یہ کتاب ابو یوسف محمد شریف کے مجموعہ چالیس احادیث بعنوان ''اربعین حنفیہ'' کے جواب میں ہے جس میں نماز کے بارے میں احادیث جمع کی گئی ہیں۔ مولانا زبیر علی

زئی ﷾ کی اس مختصر تالیف مسنون نماز کے بیشتر مسائل کی توضیح کی گئی اور صحیح احادیث کا بطورِ خاص خیال رکھا گیا ہے۔

۱۶۔ چہل حدیث ، صلاۃ وسلام: مولانا زکریا کاندھلوی، خانقاہ چشتیہ صابریہ، میر پور، آزاد کشمیر۔

۱۷۔ اربعین: مولانا ساجد القلم،فیصل آباد (پاکٹ سائز)۔

۱۸۔ ثلاثۃ اربعین سرفرازی: مولانا سرفراز خاں صفدر، کالواں کلاں، گجرات۔

۱۹۔ علم،تعلیم اور تعلم کے بارے چالیس احادیث: مولانا سعید اللہ قاضی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

۲۰۔ مجموعہ چہل حدیث نبویہ: مولانا سلطان محمود سیفی، مدرسہ مفتاح العلوم، فیصل آباد۔

اس مجموعے میں ضروری حدیثیں، عربی عبارت مع اعراب اور آسان اردو ترجمہ شامل ہے۔

۲۱۔ اربعین ولی اللہ: مولانا شاہ ولی اللہ، مترجم عبدالماجد دریابادی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

شاہ ولی اللہ کا مجموعہ اربعین جو ماہنامہ ''الرحیم'' (حیدر آباد) کے شمارہ مئی ۱۹۶۷ء میں شائع ہوا، اس کا ترجمہ وغیرہ کو متن واضافہ کے ساتھ شائع کیا گیا ہے۔

۲۲۔ اربعین سیفی: مولانا شہزاد مجددی سیفی، سنی لٹریری سوسائٹی، ریلوے روڈ لاہور، ۱۹۹۶ء

اس مجموعے میں عقائد واعمال، حب اللہ ورسولہ ﷺ ، اقامت واحیائے سنت کی اہمیت وفضیلت ،فضیلت علم وغیرہ پر مشتمل احادیث کو پہلے فارسی میں منظوم کیا گیا پھر اردو زبان میں مختصر تشریح بھی کر دی گئی تا کہ خاص وعام دونوں مستفید ہو سکیں۔

۲۳۔ اربعین فاتحہ: مولانا شہزاد مجددی سیفی، سنی لٹریری سوسائٹی، ریلوے روڈ لاہور، ۲۰۰۱ء

سورۂ فاتحہ جیسی عظیم الشان اور برکتوں بھری سورہ مبارکہ سے متعلق چالیس احادیث

اس میں جمع کی گئی ہیں، ہر حدیث کے ساتھ اردو ترجمہ اور ماخذ کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔

۲۴۔ بستان الاربعین: مولانا محمد صادق سیالکوٹی، مکتبہ نعمانیہ، اردو بازار، گوجرانوالہ۔

اس رسالے میں رسول اللہ ﷺ کی چالیس حدیثوں کے درخشاں ہیرے جگمگ جگمگ کر رہے ہیں، جن کی روشنی سے مسلمانوں کی زندگی کے کئی تاریک پہلو نور کے سانچے میں ڈھل رہے ہیں۔

۲۵۔ بیاض الاربعین: مولانا محمد صادق سیالکوٹی، مکتبہ دارالسلام، الریاض، سعودی عرب ۱۹۹۴ء

اس کتاب میں معاشرے میں روز مرہ زندگی سے تعلق رکھنے والی چالیس احادیث کا مجموعہ ''بیاض الاربعین'' کے عنوان سے ترتیب دیا گیا ہے جسے قبول عام کا درجہ حاصل ہے۔

۲۶۔ گنج شائیگاں: مولانا ظفر علی خاں، (۱) مترجم: صادق حسین، دل محمد روڈ، لاہور۔
(۲) صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

مولانا جامی نے چالیس احادیث کا منظوم ترجمہ فارسی میں کیا تھا، مولانا ظفر علی خاں نے انہی احادیث کا ترجمہ اردو نظم میں کیا جو کہ روز نامہ ''زمیندار'' میں ۱۰ دسمبر ۱۹۲۷ء کو ''گنج شائیگاں'' کے عنوان سے شائع ہوا تھا۔

۲۷۔ چہل حدیث متعلقہ فضائل جہاد: مولانا مفتی عاشق الٰہی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

۲۸۔ شرعی پردہ: مولانا مفتی عاشق الٰہی، مکتبہ خلیل، یوسف مارکیٹ، اردو بازار لاہور۔

اس مجموعہ احادیث میں پردے کے مفصل احکام کے حوالے سے چالیس احادیث شریفہ درج کی گئی ہیں اور ہر حدیث کا متن بنا کر ترجمہ اور تشریح کرتے ہوئے حالات حاضرہ پر تبصرہ کیا ہے اور مسلمانوں کے موجودہ رویہ اور روش کو سامنے رکھ کر بار بار تعلیم نبوی ﷺ کی طرف واپس آنے کی دعوت دی ہے، تقلید یورپ کے جو اثرات وثمرات مسلمانوں کی معاشرت میں پھیل چکے ہیں، ان کی خرابی پر بار بار متنبہ کیا گیا ہے۔

۲۹۔ چہل حدیث حقوق الوالدین: مولانا مفتی عاشق الٰہی، مکتبہ خلیل، یوسف مارکیٹ، اردو بازار لاہور۔

۳۰۔ آسان نماز اور چالیس مسنون دعائیں: مولانا مفتی عاشق الٰہی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

اس مجموعے میں نماز کے مسائل خصوصی طور پر بچوں کو سمجھانے کی طرز پر جمع کیے گئے ہیں اور آخر میں چالیس مسنون دعائیں درج کی گئی ہیں۔

۳۱۔ آسان نماز اور چالیس مسنون دعائیں: مولانا مفتی عاشق الٰہی، مکتبہ خلیل، اردو بازار لاہور ۲۰۰۵ء۔

اس مجموعے کے آخر میں چالیس احادیث درج کی گئی ہیں جن میں والدین اور دیگر رشتہ داروں کے حقوق اور ان کے اکرام واحترام اور خدمت وفرمانبرداری کے فضائل اور نافرمانی وایذارسانی کی وعیدیں مذکور ہیں، پورا رسالہ پانچ فصلوں پر مشتمل ہے۔

۳۲۔ چالیس حدیثیں، فضائل رمضان وصیام: مولانا مفتی عاشق الٰہی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

۳۳۔ گلدستہ چہل حدیث: مولانا مفتی عاصم عبداللہ، جامعہ حمادیہ، کراچی۔

۳۴۔ جوامع الکلم کی چہل حدیث: مولانا مفتی عبدالحکیم، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

۳۵۔ اربعین اشرف: حکیم عبدالرحیم اشرف، طارق اکیڈمی، سموسہ چوک، فیصل آباد۔

اس کتاب میں مصنف نے مختلف عنوانات قائم کر کے اسلامی زندگی کے چند نمونے پیش کیے ہیں، مثلاً اصولِ اسلام، ملی مسائل، اسلام تمدن، اسلامی معیشت وغیرہ۔ یہ کتاب حجم کے اعتبار سے گو مختصر ہے مگر اس میں جو بیان کردہ معلومات بڑی ہی اہم اور ضروری ہیں اور وقت کا تقاضا ہے کہ اس نوع کی چیزیں، آسان پیرایہ میں لوگوں کو بتائی جائیں۔

۳۶۔ اربعین نبوی ﷺ: عبداللہ شاہین، شیخ جمیل اینڈ سنز، حافظ آباد۔

اس مجموعہ احادیث میں ایسی احادیث جمع کی گئی ہیں جن کا متن مختصر ہے، لیکن وہ

زبردست معاشرتی افادیت کی حامل ہیں تاکہ مسلمان انھیں ازبر کر کے زمرۂ علماء میں شامل ہوں۔

۳۷۔ اربعین نبوی: عبداللہ شاہین، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

۳۸۔ نظم القلادۃ یوم الولادۃ: عنایت اللہ اثری، آفتاب پریس، لاہور، ۱۹۴۹ء۔

۳۹۔ چالیس ارشادِ مبارکہ: عنایت اللہ چشتی، مرکزی تنظیم تحفظ مقام مصطفیٰ ﷺ، لاہور۔

۴۰۔ چہل حدیث رسولِ انام ﷺ: (۱) ملک دین محمد اینڈ سنز، لاہور، ۱۹۵۹ء۔ (۲) سنی لٹریری سوسائٹی، لاہور، ۲۰۰۳ء۔

۴۱۔ توضیح اربعین: فاروق بی اے، چشتی کتب خانہ جھنگ بازار، فیصل آباد۔

۴۲۔ چہل حدیث برائے خواتینِ اسلام: فیض احمد اویسی، مکتبہ اویسیہ رضویہ، بہاولپور۔

۴۳۔ تعلیم الاسلام: مفتی کفایت اللہ، مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور، ۱۳۲۴ھ۔

ایسی احادیث جو اعلیٰ اخلاق اور تہذیب وتمدن کے زریں اصول بیان کرتی ہیں۔

۴۴۔ چہل حدیث درفضائل قرانِ مجید: مولانا محمد احمد، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

۴۵۔ چہل حدیث درسورتوں کے فضائل: مولانا محمد احمد، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

۴۶۔ صلوٰۃ وسلام: مولانا محمد اقبال، ناشر امان اللہ خان، ایبٹ آباد، اسلام آباد۔

۴۷۔ اربعین: مولانا محمد انوری، مکتبہ رشیدیہ، کراچی۔

اس مجموعے میں ختم نبوت، نزولِ عیسیٰ علیہ السلام، مرتد کا حکم حضور ﷺ کو گالی دینے والے کا حکم اور مسلک حنفی کی مؤید حدیثیں درج کی گئی ہیں۔

۴۸۔ اربعین سلیمانی: حکیم محمد سلیمان (روہڑی والے)، پسرور، سیالکوٹ۔

۴۹۔ اربعین نبویہ ﷺ: محمد شریف، کوٹلی لوہاراں، ضلع سیالکوٹ۔

۵۰۔ اربعین حنفیہ: ابو یوسف، محمد شریف، (۱) سنی لٹریری سوسائٹی، لاہور، ۲۰۰۰ء۔ (۲)

رضا اکیڈمی، لاہور۔ (۳) کتب خانہ ماہِ طیبہ، کوٹلی لوہاراں، سیالکوٹ۔

اس مجموعے میں چالیس حدیثیں دربارۂ نماز با حوالہ لکھی گئی ہیں اور نماز کے اختلافی مسائل پر بحث کی گئی ہے۔

۵۱۔ جوامع الکلم یعنی چہل حدیث: مفتی محمد شفیع، مرتب: راحت علی ہاشمی، ادارۃ المعارف، کراچی، ۲۰۰۴ء۔

اس مجموعے میں تعلیم اخلاق کے بارے میں احادیث کا انتخاب کیا گیا ہے۔

۵۲۔ جوامع الکلم: مفتی محمد شفیع، (۱) دارالحدیث بیرون بوہر گیٹ، ملتان۔ (۲) مکتبہ سید احمد شہید، اردو بازار لاہور، ۲۰۰۴ء۔ (۳) مکتبہ الحسن اردو بازار، لاہور، ۱۴۲۴ھ۔

۵۳۔ اربعین تجوید وقراءت: قاری محمد طاہر، مکتبہ التجوید، مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد۔

۵۴۔ الاربعین صلوٰۃ وسلام: مولانا سید نفیس الحسینی، دارالنفائس، کریم پارک، لاہور۔

۵۵۔ اربعین (دعائیں): مولانا سید نور حسین گرجاکھی، ناشر: محمد الیاس، فیصل آباد، (پاکٹ سائز)۔

۵۶۔ تعلیمی چہل حدیث: مولانا سید وحید الدین قاسمی، (۱) فضلی سنز، اردو بازار، کراچی، ۱۹۸۶ء۔ (۲) صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔ (۳) مکتبہ ادب اسلامی، اردو بازار، لاہور، ۱۹۸۷ء۔

اس مختصر مجموعۂ احادیث میں تعلیم کے حصول اور فضائل کے حوالے سے حتی الامکان چھوٹی چھوٹی آسان احادیث جمع کی گئی ہیں۔

۵۷۔ اربعین، حصہ اول: ہارون احمد چشتی، چشتیہ اکیڈمی، فیصل آباد، ۱۹۹۷ء۔

اس مجموعے میں جو چالیس احادیث شامل کی گئی ہیں، وہ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں شامل ہونے کے ساتھ ساتھ، متفق علیہ، کے زمرہ میں آتی ہیں اور بلا مبالغہ ثقہ ترین ہیں۔

۵۸۔ اربعین، حصہ دوم: ہارون احمد چشتی، چشتیہ اکیڈمی، فیصل آباد، ۱۹۹۸ء۔

۵۹۔ اربعین نووی: امام یحییٰ بن شرف الدین النووی، (۱) مترجم: محمد صدیق ہزاروی، مکتبہ اسلامیہ سعیدیہ، مانسہرہ، ۱۹۸۹ء۔ (۲) مکتبہ رحمانیہ، اردو بازار، لاہور۔ (۳) مترجم: سعید مجتبیٰ سعیدی، دار السلام۔ (۴) مترجم: مفتی عاشق الٰہی، صدیقیہ دار الکتب، ملتان، ۲۰۰۱ء۔ (۵) مترجم: چودھری عبدالحفیظ و پروفیسر ظفر اقبال، نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور۔ (۶) (انگریزی ترجمہ)، مکتبہ دار السلام، الریاض، سعودی عرب، (پاکٹ سائز)۔ (۷) مترجم: ظفر اقبال، دار الاندلس، لاہور، (پاکٹ سائز)۔ (۸) مترجم: مفتی عاشق الٰہی، دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی۔ (۹) مترجم: طارق اکیڈمی، فیصل آباد، ۲۰۰۴ء۔

مترجمین کے بقول:

''علماء، اساتذہ، طلبا کے ساتھ ساتھ عام قاری بھی اس شرح سے مستفید ہو سکتے ہیں، اگر مفصل شرح لکھنے کا ارادہ ہوتا تو ''جامع العلوم والحکم'' جیسی شرح کا صرف اردو ترجمہ کر دینا ہی کافی تھا اور اگر مختصر پر اکتفا ہوتا تو جو کچھ مارکیٹ میں دستیاب ہے، وہی کافی تھا۔''

۶۰۔ اربعین حدیثاً، چہل حدیث یوسفی: مولانا یوسف دہلوی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی، (پاکٹ سائز)۔

۶۱۔ چہل حدیث مبارکہ: مولانا یوسف دہلوی، صدیقی ٹرسٹ، کراچی۔

۶۲۔ ارشاداتِ رسولِ مقبول ﷺ: مولانا یوسف دہلوی، حضرو پرنٹنگ پریس، کوہاٹی بازار، راولپنڈی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ وَعَلٰى آلِهٖ وَاَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ.

زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کرنے والے کو رسول اللہ ﷺ کی طرف سے جنت کی بشارت

۱۔ عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ يَّضْمَنْ لِيْ مَا بَيْنَ لَحْيَيْهِ وَمَا بَيْنَ رِجْلَيْهِ اَضْمَنْ لَهُ الْجَنَّةَ)).

[بخاری: كتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، رقم: ۵۹۹۳]

''حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص مجھے اپنی زبان اور شرمگاہ کی ضمانت دے (کہ یہ دونوں غلط استعمال نہ ہوں گی) تو میں اس کو جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''

راوی الحدیث:

آپ کا اسم گرامی سہل بن سعد اور کنیت ابو العباس یا ابو یحییٰ ہے، سلسلہ نسب یوں ہے: سہل بن سعد بن مالک بن خالد بن ثعلبہ بن حارثہ بن عمرو بن خزرج بن ساعدہ بن کعب بن خزرج، انصاری اور ساعدی ہیں۔

ان کا پہلے تو نام حزن تھا، آپ ﷺ نے تبدیل کر کے سہل رکھا، رسول اللہ ﷺ کی وفات کے وقت ان کی عمر پندرہ برس تھی، طویل العمر تھے، حجاج بن یوسف کے زمانہ میں ۸۸ھ میں ۹۶ برس کے ہو کر فوت ہوئے، اور بعض کہتے ہیں: ۹۲ھ میں سو برس کے ہو کر فوت ہوئے۔

تشریح:

انسانی اعضاء میں زبان کے علاوہ غلط استعمال سے جس عضو کی حفاظت کو خاص اہمیت حاصل ہے وہ انسان کی شرمگاہ ہے۔ اس لیے اس حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ: جو بندہ اس کا ذمہ لے لے کہ وہ غلط استعمال سے اپنی زبان کی بھی حفاظت کرے گا اور شہوتِ نفس کو بھی اللہ کے احکام کا پابند رکھے گا میں اس کے لیے اللہ کی طرف سے جنت کا ذمہ لے سکتا ہوں۔

یہاں پھر یہ بات ملحوظ رہنی چاہیے کہ رسول اللہ ﷺ کے اس قسم کے ارشادات کے مخاطب وہ اہل ایمان ہوتے تھے جو آپ ﷺ ہی کی تعلیم و تلقین سے اس بنیادی حقیقت کو جان چکے تھے کہ اس قسم کے وعدوں کا تعلق صرف ان لوگوں سے ہے جو صاحب ایمان ہوں اور ایمان کے بنیادی مطالبات کو بھی ادا کرتے ہوں۔

اسی طرح دوسرے مقام پر نبی مکرم ﷺ نے چھ چیزوں کی ضمانت پر جنت کی ذمہ داری لی ہے حدیث کے الفاظ ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اِضْمَنُوْا لِيْ سِتًّا مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَضْمَنْ لَكُمُ الْجَنَّةَ: اُصْدُقُوْا إِذَا حَدَّثْتُمْ، وَأَوْفُوْا إِذَا وَعَدْتُمْ، وَأَدُّوْا إِذَا اؤْتُمِنْتُمْ، وَاحْفَظُوْا فُرُوْجَكُمْ، وَغُضُّوْا أَبْصَارَكُمْ، وَكُفُّوْا أَيْدِيَكُمْ)).

[أحمد: ٥/٣٢٢، والبيهقي في شعب الإيمان، باب في الأمانات، رقم: ٥٢٥٦]

''رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم چھ باتوں کے ضامن ہو جاؤ اور ان کی ذمہ داری لے لو تو میں تمہارے لیے جنت کی ذمہ داری لیتا ہوں (وہ چھ باتیں یہ ہیں) جب بات کرو تو ہمیشہ سچ بولو، جب کسی سے وعدہ کرو تو اس کو پورا کرو، جب کوئی امانت تم کو سپرد کی جائے تو اس کو ٹھیک ادا کرو، اور حرام کاری

سے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرو، اور جن چیزوں کی طرف نظر کرنے سے منع فرمایا گیا ہے ان کی طرف سے آنکھیں بند کرو، یعنی کوشش کرو کہ ان پر نظر نہ پڑے، اور جن موقعوں پر ہاتھ روکنے کا حکم دیا گیا ہے وہاں ہاتھ روکو (یعنی ناحق کسی کو نہ مارو نہ ستاؤ، نہ کسی کی کوئی چیز چھیننے کے لیے ہاتھ بڑھاؤ وغیرہ وغیرہ)۔''

مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایمان لے آیا ہے اور فرائض وارکان ادا کرتا ہے اور مذکورہ بالا چھ بنیادوں (اخلاق، صدق وامانت وغیرہ) کا بھی اپنے آپ کو پابند بنالیتا ہے۔ تو پھر یقیناً وہ جنتی ہے اور اس کے لیے اللہ ورسول کی طرف سے جنت کی ضمانت اور بشارت ہے۔

زبان پر قابو رکھو

۲۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((إِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ رِضْوَانِ اللّٰهِ لَا يُلْقِيْ لَهَا بَالًا يَرْفَعُ اللّٰهُ بِهَا دَرَجَاتٍ وَإِنَّ الْعَبْدَ لَيَتَكَلَّمُ بِالْكَلِمَةِ مِنْ سَخَطِ اللّٰهِ لَا يُلْقِيْ لَهَا بَالًا يَهْوِيْ بِهَا فِيْ جَهَنَّمَ)).

[بخاری: کتاب الرقاق، باب حفظ اللسان، رقم: ٥٩٩٧]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حقیقت یہ ہے کہ جب بندہ اپنی زبان سے کوئی ایسی بات نکالتا ہے جس میں حق تعالیٰ کی خوشنودی ہوتی ہے تو اگرچہ وہ بندہ اس بات کی اہمیت کو نہیں جانتا لیکن اللہ تعالیٰ اس کے سبب سے اس کے درجات بلند کر دیتا ہے۔ اسی طرح جب بندہ

کوئی ایسی بات زبان سے نکالتا ہے جوحق تعالیٰ کی ناخوشی کا ذریعہ بن جاتی ہےتو اگرچہ وہ بندہ اس بات کی اہمیت کونہیں جانتا لیکن وہ بندہ اس کے سبب سے دوزخ میں گر پڑتا ہے۔''

راوی الحدیث:

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے نام کے بارے میں اسماء الرجال کے واقفین کے مابین سخت اختلاف ہے ایسا اختلاف کسی بھی صحابی کے نام میں نہیں ہے۔ ان کے نام کے بارے میں تقریباً تیس قول ذکر کیے جاتے ہیں، امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے ناموں کے اس اختلاف کو ذکر کرنے کے بعد عبد شمس یا عبداللہ نام بتلایا ہے اور کہتے ہیں کہ امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے عبداللہ نام کو ترجیح دی ہے۔

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ نے شرح مسلم میں عبدالرحمٰن بن صخر کو ترجیح دی ہے، فرماتے ہیں:

أبو هريرة رضی اللہ عنہ عبدالرحمن بن صخر علی الأصح من نحو ثلاثين قولا.

یہی بات تذکرۃ الحفاظ میں بھی ہے۔

آپ اپنی کنیت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی کے ساتھ مشہور ہیں، آپ کا تعلق قبیلہ دوس سے تھا اس قبیلہ کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی تھی: اللّٰهم اهد دوسا وأت بهم. ''الٰہی! قبیلہ دوس کے لوگوں کو ہدایت دے اور ان کو میرے پاس پہنچا دے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ تیس (۳۰) سال کی عمر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے علم کے بڑے حریص تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف علم ودین ہی کا سوال کرتے تھے، ان کی اس صفت کی شہادت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک نے بھی دی ہے، خود کہتے ہیں کہ ایک بار میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ: من أسعد الناس بشفاعتك يوم القيامة. ''اے اللہ کے رسول! آپ کی شفاعت سے سب سے زیادہ کس

خوش نصیب کو فائدہ پہنچے گا؟'' آپ ﷺ نے جواب میں ارشاد فرمایا: لقد ظننت یا ابا هريرة! ان یسئلنی من هذا الحديث أحد اول منك لما رأيت من حرصك على الحديث أسعد الناس بشفاعتي يوم القيامة من قال لا إله إلا الله خالصا من قلبه.

''ابو ہریرہ! میرا یہی خیال تھا کہ یہ سوال سب سے پہلے تم ہی کرو گے اس لیے کہ میں تمہاری حرص حدیث سے واقف ہوں، اس کے بعد اصل سوال کا جواب ارشاد فرمایا: میری شفاعت سے سب سے زیادہ فائدہ اخلاص قلب کے ساتھ ''لا اله الا الله'' کہنے والے کو ہوگا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ ﷺ کی دعاؤں سے بھی وافر حصہ ملا تھا، ان کے حافظے کے لیے آپ ﷺ نے بڑے اہتمام سے دعائیں فرمائیں، اسی لیے ان کو محدثین نے احفظ اصحاب محمد ﷺ اور احفظ من روى الحديث في عصره کہا ہے۔

مرضِ وفات میں جب وقت معلوم ہونے لگا تو رونے لگے کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا: من قلة الزاد وشدة المفازة. ''سفر سخت ہے اور زادِ راہ کم ہے'' یہ خوفِ آخرت تھا ورنہ اگر ان کے پاس زادِ راہ کم تھا تو پھر کس کے پاس زیادہ ہوگا؟ خلیفہ مروان عیادت کو آئے اور دعا کی شفاك الله. ''اللہ آپ کو شفا دے۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی فوراً دعا کی: اللّٰهم أحب لقاؤك فاحب لقائي. ''اے اللہ! میں آپ کی ملاقات کا مشتاق ہوں، آپ بھی میری ملاقات کو پسند فرمالیجیے۔'' تھوڑی دیر کے بعد اللہ ورسول ﷺ کی خاطر اپنا گھر بار چھوڑ کر مدینے آنے والا رسول اللہ ﷺ کا یہ مہمان اپنے مالکِ حقیقی کی رحمت کی آغوش میں پہنچ گیا، رضي الله عنه وأرضاه.

سنہ وفات میں بھی اختلاف ہے ۵۷، ۵۸، ۵۹ھ سن وفات ذکر کیے جاتے ہیں۔ ۵۷ھ راجح ہے، وفات کے وقت آپ کی عمر ۷۸ سال تھی ولید بن عقبہ نے نمازِ جنازہ پڑھائی، اور جنت البقیع میں دفن کیے گئے۔

تشریح:

اس ارشادگرامی کا حاصل اس بات پر متنبہ کرتا ہے کہ زبان پر ہر وقت قابو رکھو اوراس کے معاملہ کوکم اہم نہ سمجھو نیز اس حقیقت کوکسی بھی لمحہ نظرانداز نہ کروکہ اگر زبان پر احتیاط کی گرفت ڈھیلی پڑگئی اور یہ چھوٹی سی چیز تمہارے قابو سے باہر ہوگئی تو پھر تمہاری خیر نہیں! چنانچہ اس حقیقت کو واضح فرمایا کہ بسا اوقات بندہ اپنی زبان سے کوئی بات نکالتا ہے اوراس کو اپنے نزدیک بہت معمولی درجہ کی بات سمجھتا ہے مگر درحقیقت نتیجہ کے اعتبار سے اس بات کی بڑی اہمیت ہوتی ہے اس کو یوں سمجھو کہ اگر وہ بات حق ہوتی ہے اوراللہ کی خوشنودی کا ذریعہ بنتی ہوتو وہی ذراسی بات جنت میں اس کی بلندی کا سبب بن جاتی ہے اوراگر وہ بات کہیں ایسی ہوئی جو بری ہونے کی وجہ سے اللہ کی ناراضگی کا سبب بن گئی تو بندے کے حق میں وہی معمولی بات اس کو دوزخ میں گرادینے کا ذریعہ بن جائے گی۔

مسلمان کی بے حرمتی کا گناہ

۲۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ)).

[بخاری، كتاب الایمان، باب خوف المؤمن، رقم: ٤٦ ومسلم، كتاب الإيمان، باب بيان قول النبي صلی اللہ علیہ وسلم سباب المسلم فسوق وقتاله كفر، رقم: ١٩٧]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی مسلمان کو برا کہنا فسق ہے اورکسی مسلمان کو مارڈالنا کفر ہے۔''

راوی الحدیث:

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ مکہ مکرمہ کے رہنے والے اور اولین اسلام قبول کرنے

والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شامل ہیں، ان کے والد کا انتقال زمانہ جاہلیت ہی میں ہو گیا تھا لیکن والدہ ایمان لے آئیں تھیں اور بلند پایہ صحابیہ تھیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پتلے دبلے جسم کے تھے، رنگ گندمی تھا، ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو کسی ضرورت سے درخت پر چڑھایا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کی دبلی پتلی ٹانگ کو دیکھ کر ہنسنے لگے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: **لرجل عبدالله اثقل في الميزان يوم القيامة من أحد.** ''اللہ کے نزدیک عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی یہ دبلی پتلی ٹانگ بھی اُحد پہاڑ سے زیادہ وزنی ہے۔'' کپڑے صاف ستھرے پہنتے اور کثرت سے عطر استعمال فرماتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا شمار بڑے اہل فضل وکمال صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے، وہ سابقین اولین میں سے ہیں ان کی زندگی کا خاصہ حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گزرا ہے، سفر وحضر میں آپ کی ذاتی خدمت میں جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پیش پیش رہتے تھے ان میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے، اسی لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان کو **صاحب النعلين والسواك والوساده** یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ضروریات کا خیال رکھنے والا کہتے تھے، ان کو جو قرب وتعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے نصیب تھا وہ چند ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو میسر تھا وہ ہمہ وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر آتے جاتے اور خدمت اقدس میں حاضر رہتے، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں اور میرے بھائی یمن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ہم دونوں بھائی حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اور ان کی والدہ کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں بکثرت حاضری دیکھ کر مدت تک یہی سمجھتے رہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ آپ کے گھر کے ہی ایک فرد ہیں۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا علمی مقام بھی بہت بلند ہے ان کا شمار ان صحابہ

کرام رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے جو اہل فتویٰ اور اہل قضاء سمجھے جاتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآن وسنت کا علم حاصل کیا، آپ رضی اللہ عنہ کو قرآنِ مجید سے خصوصی شغف اور تعلق تھا۔ قرآنِ مجید یاد بھی بہت اچھا تھا اور بہت صحیح اور سوز کے ساتھ پڑھتے تھے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کوفہ ہی میں رہے اور کوفہ ہی ان کی دینی اور علمی سرگرمیوں کا مرکز بنا اور یہیں سے ان کے علوم کی نشر واشاعت ہوئی، حدیث کی کتابوں میں ان کی مرویات کی تعداد ۸۴۸ ہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کوفہ سے مدینہ بلا لیا تھا۔ مدینہ میں ہی ان کی وفات ۳۲ھ میں ہوئی اور غالبا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہی نے نمازِ جنازہ بھی پڑھائی۔ وفات کے وقت ان کی عمر تقریباً ۶۰ سال تھی۔

تشریح:

کسی مسلمان کے قتل کرنے کو کفر کہنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ کوئی مسلمان اگر کسی مسلمان کو قتل کر دے تو وہ کافر ہو جاتا ہے بلکہ ارشاد کا مقصد اس بات کو نہایت سختی وشدت کے ساتھ بیان کرنا ہے۔ کہ مسلمان کا ناحق خون بہانا انتہائی سنگین جرم ہے اور جو مسلمان اپنے مسلمان بھائی کو قتل کرتا ہے وہ اپنے اسلام کے کامل ہونے کی نفی کرتا ہے گویا یہاں ''کفر'' سے مراد کمال اسلام کی نفی ہے جیسا کہ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے ''اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ.. الخ'' یعنی کامل مسلمان وہی ہے جس سے دوسرے مسلمان محفوظ و مامون رہیں اور اگر کفر سے اس کے حقیقی معنی مراد ہوں تو اس صورت میں کہا جائے گا کہ وہ مسلمان یقیناً کافر ہو جائے گا جو کسی مسلمان کو اس لیے قتل کر دے کہ وہ مسلمان ہے اور اس کے اسلام کے سبب سے اس کے قتل کرنے کو حلال ومباح جانے کیونکہ کسی مسلمان

محض اس کے اسلام کی وجہ سے قتل کرنا اور اس کے قتل کو حلال ومباح جاننا بلا شبہ کفر ہے۔

گالی کی پہل کرنے والے پر گناہ

٤۔ عَنْ أَنَسٍ وَأَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اَلْمُسْتَبَّانِ مَا قَالَا فَعَلَى الْبَادِيءِ مَا لَمْ يَعْتَدِ الْمَظْلُومُ)).

[مسلم، كتاب البر، باب النهي عن السباب، رقم: ٤٦٨٨]

''حضرت انس اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اگر دو شخص آپس میں گالی گلوچ کریں تو ان کی ساری گالم گلوچ کا گناہ اس شخص پر ہوگا جس نے پہل کی ہے جب تک کہ مظلوم تجاوز نہ کرے۔''

راوی الحدیث:

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا تعلق مدینہ کے مشہور خاندان قبیلہ خزرج سے تھا۔ رسول اللہ ﷺ کے دادا عبدالمطلب کے ننہیال اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنی نجار سے تھے۔

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت فرما کر مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عمر دس سال تھی، آپ بہت ذہین تھے، آپ کی والدہ ام سلیم رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا: یا رسول اللّٰه! ان انسا غلام کیس فلیخدمك. ''اے اللہ کے رسول! انس بہت سمجھدار بچہ ہے ہم اس کو آپ کی خدمت میں پیش کرنا چاہتے ہیں۔'' تو آپ ﷺ نے ان کو اپنی خدمت میں رکھ لیا۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ اپنے نام کے ساتھ خادم رسولِ اللہ ﷺ کا لفظ لگاتے اور اس پر فخر کرتے تھے. رسول اللہ ﷺ کو بھی آپ سے بہت محبت تھی کبھی کبھی پیار ومحبت میں آپ ﷺ ان کو یا بُنَيَّ! ''اے میرے بیٹے!'' کہہ کر پکارتے تھے۔

ہجرت نبوی ﷺ کے بعد ان کا پورا وقت آپ ﷺ کی خدمت اور صحبت میں گزرا اور انہیں بہت قریب سے آپ ﷺ کے اعمال کو دیکھنے اور اقوال کو سننے کا موقع ملا ہے۔ ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۲۲۸۶ ذکر کی جاتی ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو بعض حکومتی کاموں کا ذمہ دار بنا کر بحرین بھیجا تھا، آخر میں بصرہ میں سکونت اختیار کر لی تھی وہیں ۹۳ھ میں وفات پائی۔ بصرہ میں وفات پانے والے آخری صحابی حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی ہیں۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ اگر دو شخص آپس میں گالم گلوچ کرنے لگیں ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگیں اور ایک دوسرے کے حق میں بدکلامی وسخت گوئی کریں تو اس ساری گالم گلوچ اور برا بھلا کہنے کا گناہ ان دونوں میں سے اس شخص پر ہوگا جس نے گالم گلوچ کی ابتداء کی ہوگی یعنی اس کو اپنی گالم گلوچ کا گناہ تو ہوگا ہی دوسرے شخص کی گالم گلوچ کا گناہ بھی اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا کیونکہ اس نے گالم گلوچ کی ابتداء کر کے گویا دوسرے شخص پر ظلم کیا ہے اور اس اعتبار سے وہ ظالم کہلائے گا اور دوسرا شخص مظلوم لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ دوسرا شخص یعنی مظلوم جواب دینے میں زیادتی نہ کرے اگر مظلوم حد سے تجاوز کر گیا۔ کہ اس کی گالم گلوچ ابتدا کرنے والے کی گالم گلوچ سے بڑھ گئی یا ابتداء کرنے والے نے جو ایذا پہنچائی تھی اس کے جواب میں دوسرے شخص نے اس سے بھی زیادہ ایذاء پہنچا دی تو اس صورت میں ابتدا کرنے والے کی نسبت اس پر زیادہ گناہ ہوگا بعض حضرات نے لکھا ہے کہ دوسرا شخص بھی اس تعدی اور زیادتی کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔

چغل خور کے بارے میں وعید

۵۔ عَنْ حُذَيْفَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُولُ: ((لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَتَّاتٌ)).

[بخاری: کتاب الأدب، باب ما یکرہ من النمیمة، رقم:٦٠٥٨، ومسلم، کتاب الإیمان، باب بیان غلظ تحریم النمیمة، رقم: ١٥٢]

''حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ چغل خور آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا۔''

راوی الحدیث:

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوعبداللہ ہے اور والد کا نام حسیل اور لقب یمان ہے، باپ بیٹا دونوں ہی جلیل القدر صحابی ہیں۔

حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ غزوہ اُحد میں شریک ہوئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحاب سر تھے، یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی خبر لانے والوں میں تھے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے چالیس دن بعد ۳۵ھ میں مدائن میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ چغل خوری کی عادت ان سنگین گناہوں میں سے ہے جو جنت کے داخلہ میں رکاوٹ بننے والے ہیں اور کوئی آدمی اس گندی اور شیطانی عادت کے ساتھ جنت میں نہ جا سکے گا ہاں اگر اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے کسی کو معاف کر کے یا اس کے جرم کی سزا دے کے اس کو پاک کر دے تو اس کے بعد وہ جنت میں داخل ہو سکے گا۔

سچ کی جزا اور جھوٹ کی سزا

٦۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِىْ اِلَى الْبِرِّ وَ اِنَّ الْبِرَّ يَهْدِىْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ صِدِّيْقًا، وَ اِيَّاكُمْ وَ الْكَذِبَ فَاِنَّ الْكَذِبَ يَهْدِىْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِىْ اِلَى النَّارِ وَ مَايَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكَذِبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَاللّٰهِ كَذَّابًا)).

[بخاری: كتاب الأدب، باب قول الله تعالى ﴿ يا أيها الذين امنوا اتقوا الله و كونوا مع الصادقين ﴾، رقم: ٦٠٩٤، ومسلم، كتاب البر، باب قبح الكذب، رقم: ٤٧٢١]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم سچائی کو لازم پکڑ لو، اور ہمیشہ سچ ہی بولو کیونکہ سچ بولنا نیکی کے راستے پر ڈال دیتا ہے اور نیکی جنت تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جب ہمیشہ سچ ہی بولتا ہے اور سچائی ہی کو اختیار کر لیتا ہے تو وہ مقام صدّیقیت تک پہنچ جاتا ہے اور اللہ کے ہاں صدیقین میں لکھ دیا جاتا ہے۔ اور جھوٹ سے ہمیشہ بچتے رہو کیونکہ جھوٹ بولنے کی عادت آدمی کو بدکاری کے راستہ پر ڈال دیتی ہے اور بدکاری اس کو دوزخ تک پہنچا دیتی ہے اور آدمی جب جھوٹ بولنے کا عادی ہو جاتا ہے اور جھوٹ کو اختیار کر لیتا ہے تو انجام یہ ہوتا ہے کہ وہ اللہ کے ہاں کذابین میں لکھ لیا جاتا ہے۔''

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ سچ بولنا بذاتِ خود بھی نیک عادت ہے اور اس کی یہ خاصیت بھی

ہے کہ وہ آدمی کو زندگی کے دوسرے پہلوؤں میں بھی نیک اور صالح بنا کر جنت کا مستحق بنا دیتی ہے اور ہمیشہ سچ بولنے والا آدمی مقام صدیقیت تک پہنچ جاتا ہے اسی طرح جھوٹ بولنا بذات خود بھی ایک خبیث خصلت ہے اور اس کی یہ خرابی بھی ہے کہ وہ آدمی کے اندر فسق و فجور کا میلان پیدا کر کے اور اس کی پوری زندگی کو بدکاری کی زندگی بنا کر دوزخ تک پہنچا دیتی ہے نیز جھوٹ کی عادت ڈال لینے والا آدمی کذابیت کے درجے تک پہنچ کر پورا لعنتی بن جاتا ہے۔

جنت اور جہنم میں لے جانے والے کام

۷۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((اَتَدْرُوْنَ مَا اَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ الْجَنَّةَ؟ تَقْوَى اللّٰهِ وَحُسْنُ الْخُلُقِ. أَتَدْرُوْنَ مَا اَكْثَرُ مَا يُدْخِلُ النَّاسَ النَّارَ؟ اَلْاَجْوَفَانِ: اَلْفَمُ وَالْفَرْجُ)).

[ترمذی: کتاب البر، باب ما جاء فی حسن الخلق، رقم: ۲۰۰۴، وابن ماجه: کتاب الزهد، باب ذکر الذنوب، رقم: ۴۲۴۶]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''جانتے ہو لوگوں کو عام طور پر کونسی چیز جنت میں داخل کرتی ہے؟ وہ تقویٰ یعنی اللہ سے ڈرنا اور حسن خلق ہے اور جانتے ہو لوگوں کو عام طور پر کونسی چیز دوزخ میں لے جاتی ہے؟ وہ دو کھوکھلی چیزیں ہیں یعنی منہ اور شرمگاہ۔''

تشریح:

''تقویٰ'' کا سب سے ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ شرک سے اجتناب کیا جائے اور سب سے اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ دل میں اللہ کے علاوہ اور کسی ذات کا خیال بھی نہ آنے دیا جائے۔

''حسن خلق'' سے مراد اللہ کی مخلوق کے ساتھ خوش خلقی اختیار کرنا ہے جس کا سب سے ادنی درجہ یہ ہے کہ کسی مخلوق کو کوئی تکلیف وایذا، نہ پہنچائی جائے اور سب سے اعلی درجہ یہ ہے کہ انسان اس شخص کے ساتھ بھی بھلائی کرے جس نے اس کے ساتھ برا سلوک کیا ہے۔ اس اعتبار سے حدیث کے پہلے جزو کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص میں تقوی اور حسن خلق یہ دونوں اوصاف پیدا ہو جائیں تو سمجھو کہ اس کی نجات کا دروازہ کھل گیا کیوں کہ تقوی یعنی پرہیز گاری سے اللہ کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے اور خوش خلقی سے اللہ کی مخلوق کی خوشی ملتی ہے اور ظاہر ہے کہ جس انسان سے اللہ بھی خوش ہو اور اللہ کی مخلوق بھی تو اس کا بیڑا پار ہونے میں کیا شبہ رہ جائے گا؟

امام طیبی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''تقوی'' کے ذریعہ تو اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ بندہ خالق (اللہ تعالی) کے ساتھ حسن معاملہ کرے یعنی ہر اس کام سے اجتناب کرے جس سے اس نے منع کیا ہے اور اس کام پر عمل کرے جس کا اُس نے حکم دیا ہے اور ''حسن خلق'' کے ذریعہ اس طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ اللہ کی مخلوق کے ساتھ حسن معاملہ کرے یعنی خوش خلقی اختیار کرے۔

حدیث کے دوسرے جزو میں اس طرف اشارہ فرمایا گیا ہے کہ منہ اور شرمگاہ گناہ کے دو بڑے سرچشمے ہیں جن سے پیدا ہونے والی برائیوں میں پڑ کر انسان دوزخ میں جا گرتا ہے چنانچہ منہ، کہ اس میں زبان بھی داخل ہے گمراہی اور بدعملیوں کا بڑا ذریعہ ہے انسان جو بھی حرام چیز کھاتا اور پیتا ہے اسی منہ کے ذریعہ نگلتا ہے اور وہ جو بھی ممنوع و ناجائز بے ہودہ وفحش کلام وگفتگو کرتا ہے زبان ہی اس کا ذریعہ بنتی ہے۔ اسی طرح شرمگاہ، خواہ عورت کی ہو یا مرد کی، شیطان کا سب سے دل فریب جال ہے جس میں وہ لوگوں کو پھنسا کر دوزخ میں گرا دیتا ہے چنانچہ انسان اسی شرمگاہ کے سبب جنسی جذبات سے مغلوب

ہو جاتا ہے اور نفسانی شہوت میں مبتلا ہو کر اپنے خالق کی نافرمانی کرتا ہے۔

جھوٹے لطیفوں کے ذریعے لوگوں کو ہنسانے والے کے بارے میں وعید

۸۔ عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((وَيْلٌ لِمَنْ يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهُ وَيْلٌ لَهُ)).

[أحمد: ٥/ ٣، والترمذي: كتاب الزهد، باب فيمن تكلم بكلمة يضحك بها الناس، رقم: ٢٣١٥، وأبو داود: كتاب الأدب، باب في التشديد في الكذب، رقم: ٤٩٩٠]

''بہز بن حکیم اپنے والد حکیم بن معاویہ سے اور بہز کے دادا حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: افسوس! اس شخص پر جو بات کرے تو جھوٹ بولے تاکہ اس کے ذریعہ لوگوں کو ہنسائے افسوس اس شخص پر افسوس اس شخص پر۔''

راوی الحدیث:

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ابوسفیان کے ذہین وفطین فرزند تھے، اموی اور قریشی تھے، آپ کی والدہ کا نام ہند بنت عتبہ ہے، فتح مکہ کے دن باپ اور بیٹا دونوں اسلام کی صدائے سحر آگین سے مانوس ہو کر اسلام میں داخل ہوئے، خلافت فاروقی میں یزید بن ابوسفیان کی وفات کے بعد شام کے والی بنے اور خلافت فاروقی کے آخری چار سال اور خلافت عثمانی رضی اللہ عنہ وخلافت علی رضی اللہ عنہ اور خلافت امام حسن تک شام کے حاکم رہے، یہاں تک کہ امام حسن بن علی نے زمام خلافت ان کے ہاتھ میں دے دی، ماہِ رجب ۶۰ ھ میں بعارضہ لقوہ دمشق میں وفات پائی۔

ان کے پاس سرور کائنات ﷺ کا تہ بند مبارک اور چادر مبارک اور قمیض مبارک تھے، مرتے وقت وصیت کی کہ مجھے نبی مکرم ﷺ کی قمیض مبارک میں تکفین کرنا اور نبی مکرم ﷺ کی چادر مبارک میں مجھے لپیٹنا اور مجھے اللہ رب العزت کے سپرد کر دینا۔

تشریح:

''ویل'' کے معنی ہیں عظیم ہلاکت اور ویل دوزخ کی ایک گہری وادی کا نام بھی ہے جس میں اگر پہاڑ ڈال دیئے جائیں تو گرمی سے پگل جائیں اہل عرب کے کلام میں یہ لفظ اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی برائی اور ناپسندیدہ امر کا ارتکاب کرتا ہے اور اس سے اظہار تاسف اور اس کو متنبہ کرنا مقصود ہوتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنے ارشاد کے آخر میں مذکورہ لفظ کو پھر استعمال کرنا اور مکرر کرنا گویا ایسے شخص کے حق میں زجر و وعید کو زیادہ شدت کے ساتھ بیان کرنا مقصود تھا جو بے بنیاد اور جھوٹے لطائف وقصص کے ذریعہ لوگوں کو ہنسائے۔

''ویل لمن یحدث فیکذب'' میں لفظ یکذب (جھوٹ) بولنے کی قید سے یہ بات سمجھی جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص اپنے ہم جلیسوں اور دوستوں کو خوش کرنے اور ان کو ہنسانے کے لیے ایسی بات کہے یا ایسے لطیفے اور قصے سنائے جو سچے ہوں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں اگرچہ یہ ضروری ہے کہ اس کو اپنی عادت نہ بنائے اور نہ لطیفہ گوئی کو بطور پیشہ اختیار کرے، باوجودیکہ مشروع و مسنون ہے لیکن اس کو کبھی کبھار ہی اختیار کیا جائے نہ کہ ہمیشگی کے ساتھ اسی طرح ہر وقت لوگوں کو ہنسانے اور مسخرا پن کرنے ہی میں لگا رہے اور نہ اس پر زیادہ توجہ دے کیونکہ اس کا نتیجہ نقصان اور خسران کے علاوہ اور کچھ نہیں ہوتا۔

خاموشی نجات کا ذریعہ ہے

۹۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ صَمَتَ

نَجَا)).

[أحمد: ۲/ ۱۷۷، والترمذي: كتاب صفة القيامة، باب، رقم: ۲۵۰۱، والبيهقي في شعب الإيمان: باب في حفظ اللسان، رقم: ۴۹۸۳، والدارمي: كتاب الرقاق، باب في الصمت، رقم: ۲۷۱۳]

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص خاموش رہا اس نے نجات پائی۔''

راویِ الحدیث:

آپ کا اسمِ گرامی عبداللہ بن عمرو اور کنیت ابو محمد یا ابو عبدالرحمٰن ہے، سلسلہ نسب یوں ہے: عبداللہ بن عمرو بن عاص بن وائل بن ہاشم بن سعید بن سہم، قریشی اور سہمی ہیں، بڑے اصحاب الفضائل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار ہوتے ہیں، صحابی بن صحابی ہیں، اپنے والد سے پہلے اسلام قبول کر چکے تھے، صوم داودی کے پابند تھے، تلاوت قرآن کا حال یہ تھا کہ سات راتوں میں قرآنِ مجید مکمل پڑھ لیتے اور بڑھاپے تک ان کا معمول یہی رہا بلکہ بڑھاپے میں قرآنِ مجید کا جو ساتواں حصہ رات کو پڑھنا ہوتا تھا وہ دن میں بھی گھر کے کسی فرد کو سنا لیا کرتے تھے تاکہ رات کو پڑھنے میں سہولت ہو اور روزوں کے معمول میں اگر کبھی خلل پڑ جاتا تو اس کا حساب رکھتے اور بعد میں اس کی تلافی کر لیا کرتے تھے۔

۶۵ھ میں مصر میں فوت ہوئے اور وہیں دفن کیے گئے۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ چپ رہ کر اور زبان کو بری باتوں سے محفوظ رکھ کر دنیا کی بھی بہت سی آفتوں سے نجات مل جاتی ہے اور دینی واخروی طور پر بھی بہت سی بلاؤں اور نقصان وخسران سے نجات حاصل ہو جاتی ہے کیونکہ انسان عام طور پر جن بلاؤں اور آفتوں میں مبتلا ہوتا ہے ان میں سے اکثر زبان ہی کے ذریعہ سے پہنچتی ہیں۔

کلام کی قسمیں:

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ انسان اپنی زبان سے جو بات نکالتا ہے اور جو کلام کرتا ہے اس کی چار قسمیں ہوتی ہیں۔ ایک تو محض نقصان، دوسری سے محض نفع، تیسری وہ بات اور کلام جس میں نفع بھی ہوتا ہے اور نقصان بھی اور چوتھی وہ بات و کلام جس میں نہ نفع ہو اور نہ نقصان' اس سے بھی خاموشی ہی اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ نقصان سے بچنا فائدہ حاصل کرنے سے زیادہ اہم ہوتا ہے اور وہ کلام کہ جس میں نہ نفع ہو نہ نقصان تو ظاہر ہے کہ اس میں زبان کو مشغول کرنا محض وقت کو ضائع کرنا ہے اور یہ چیز بھی خالص نقصان دے ہے۔ رہی دوسری قسم یعنی وہ قسم کہ جس میں نفع ہی نفع ہو تو اگرچہ ایسی بات وکلام میں زبان کو مشغول کرنا برائی کی بات نہیں ہے لیکن اس حقیقت کو نظر انداز نہیں کرنا چاہیے کہ اس میں بھی ابتلائے آفت کا خطرہ ضرور ہوتا ہے بایں طور کہ ایسے کلام میں بسا اوقات ریاو تصنع، خوشنودی نفس جیسی فضول باتوں کی آمیزش ہو جاتی ہے اور اس صورت میں یہ تمیز کرنا بھی مشکل ہو جاتا ہے کہ کہاں لغزش ہوگئی ہے حاصل یہ کہ ہر حالت اور ہر صورت میں خاموشی اختیار کرنا بہتر اور نجات کا ذریعہ ہے کیونکہ زبان کی آفتیں ان گنت اور ان سے بچنا سخت مشکل الا یہ کہ زبان کو بند ہی رکھا جائے کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اَللِّسَانُ جِسْمُهٗ صَغِيْرٌ وَ جُرْمُهٗ كَبِيْرٌ وَ كَثِيْرٌ.

''زبان کا وجود تو چھوٹا ہے مگر اس کے گناہ بڑے اور بہت ہیں''

حسن اسلام کیا ہے؟

۱۰۔ عَنْ عَلِيِّ بْنِ الْحُسَيْنِ رحمہ اللہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَالَا يَعْنِيْهِ)).

[موطا الإمام مالك: كتاب الخلق، باب ما جاء في حسن الخلق، رقم:٣، وأحمد:١/٢٠١]

''حضرت علی بن حسین (یعنی حضرت امام زین العابدین) کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انسان کے اسلام کی خوبی یہ ہے کہ وہ اس چیز کو چھوڑ دے جو بے فائدہ ہے۔''

راوی الحدیث:

آپ کا اسم مبارک علی بن حسین اور کنیت ابو الحسن یا ابو الحسین ہے، سلسلہ نسب یوں ہے: علی بن حسین بن علی بن ابی طالب الہاشمی۔

آپ تابعی ہیں ۵۸ برس کی عمر میں ۹۲ھ یا ۹۴ھ کو فوت ہوئے۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ کسی شخص کے اسلام کے حسن وخوبی اور ایمان کے کامل ہونے کی علامت یہ ہے کہ وہ اس چیز سے اجتناب وپرہیز کرے جس کے ساتھ کوئی غرض متعلق نہیں ہوتی اور جس کی یہ شان نہیں ہوتی کہ کوئی شخص اس کا اہتمام کرے اور اس کے حصول میں مشغولیت اختیار کرے حاصل یہ کہ وہ چیز کوئی امر ضروری نہ ہو، چنانچہ جس چیز کو امر لایعنی کہا جاتا ہے اس کی تعریف ووضاحت یہی ہے۔ اس کے برخلاف جو چیز امر ضروری کہلاتی ہے۔ اور کوئی شخص جس کا اہتمام کرتا ہے وہ ایسی چیز ہوتی ہے جس کے ساتھ دنیا میں ضروریات زندگی اور آخرت میں سلامتی ونجات وابستہ ہوتی ہے۔ مثلاً دنیا کی ضروریات زندگی میں سے ایک تو غذا ہے جو بھوک مٹاتی ہے، دوسرا پانی ہے جو پیاس کو رفع کرتا ہے۔ تیسرا کپڑا ہے جو ستر کو چھپاتا ہے چوتھا بیوی ہے جو عفت وپاکدامنی پر قائم رکھتی ہے اور اسی طرح کی وہ چیزیں جو زندگی کی دوسری ضروریات کو پورا کریں نہ کہ وہ چیزیں جن سے محض نفس کی لذت، حرص وہوس کی بہرہ مندی اور دنیا کی محبت کا تعلق

ہوتا ہے نیز ایسے افعال واقوال اور تمام حرکات وسکنات بھی نہیں جو فضول و بے فائدہ ہوں اسی طرح وہ چیز کہ جس سے آخرت کی سلامتی ونجات متعلق ہوتی ہے جیسا کہ ایمان واسلام اوراحسان' حاصل یہ کہ جو چیزیں دنیا وآخرت میں ضروری ہیں اور جن پر دینی ودنیوی زندگی کا انحصار ومدار ہوتا ہے اور جو مولیٰ کی رضا وخوشنودی کا سبب وذریعہ بنتی ہیں وہ تو لایعنی نہیں ہیں ان کے علاوہ باقی تمام چیزیں لایعنی ہیں خواہ ان چیزوں کا تعلق عمل سے ہو یا قول سے۔

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے کہا ہے کہ لایعنی (بے فائدہ بات) کا آخری درجہ یہ ہے کہ تم کوئی ایسی بات اپنی زبان سے نکالو کہ جس کو اگر اپنی زبان سے نہ نکالتے تو گنہگار نہ ہوتے اور اس کی وجہ سے نہ تو تمہیں ذاتی طور پر کوئی نقصان پہنچتا اور نہ مال کے اعتبار سے اس کی مثال یہ ہے کہ فرض کرو کہ تم کچھ لوگوں کے ساتھ بیٹھے ہوئے ہو، اب تم نے ان کے سامنے اپنے کسی سفر کے احوال بیان کیے اس بیانِ احوال کے دوران تم نے ہر اس چیز کو تفصیل کے ساتھ ذکر کیا جو تم نے اپنے سفر کے دوران دیکھی تھی مثلاً پہاڑ، دریا، عمارت وغیرہ یا جو کچھ واقعات وحادثات پیش آئے تھے ان کے بارے میں بتایا پھر تم نے ان اچھے کھانوں، عمدہ لباس وپوشاک اور دوسری چیزوں کا بھی ذکر کیا جو تمہیں ملی تھیں یا جن کو تم نے دیکھا تھا ظاہر ہے کہ تم نے جو یہ ساری تفصیل بیان کی اور جن امور کا ذکر کیا وہ یقینا ایسی چیزیں ہیں کہ اگر تم ان کو بیان نہ کرتے تو نہ گنہگار ہوتے اور نہ تمہیں کوئی نقصان وضرر برداشت کرنا پڑتا جب کہ اس لمبی چوڑی تفصیل بیان کرنے کی صورت میں بہت ممکن ہے کہ کسی موقع پر تمہاری زبان نے لغزش کھائی اور اس سے کوئی ایسی بات نکل گئی ہو جس سے تم گناہ گار بن گئے ہو۔

جھوٹ کی بدبو سے بیزاری

۱۱۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((اِذَا کَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهٖ)).

[ترمذی: کتاب البر، باب ما جاء فی الصدق والکذب، رقم:۱۹۷۲]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو فرشتہ اس کے جھوٹ کی بدبو کی وجہ سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔''

راوی الحدیث:

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی ولادت ۳ نبوی یعنی بعثت کے تیسرے سال ہوئی، ان کی والدہ کا نام زینب بنت مظعون ہے یہ مشہور صحابی حضرت عثمان بن مظعون کی بہن ہیں، ام المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا بھی انہی کی صاحبزادی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جلیل القدر صحابی، قریبی عزیز اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے سب سے زیادہ باکمال صاحبزادے ہیں، جن کے صلاح وتقویٰ کی شہادت خود زبان نبوت نے دی ہے، صحیحین کی روایت میں ہے کہ عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: میں نے ایک رات خواب دیکھا کہ دو فرشتے پکڑ کر مجھے آگ کے ایک کنویں کے پاس لے گئے ہیں میں اس کو دیکھ کر ڈر گیا اور ''اعوذ باللّٰہ من النار أعوذ باللّٰہ من النار'' پڑھنے لگا ایک اور فرشتے نے مجھ سے کہا: ڈرو نہیں، میں نے یہ خواب اپنی بہن حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے ذکر کیا، انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے

ارشادفرمایا:

نعم الرجل عبداللّٰہ لو کان یصلی من اللیل۔

''عبداللہ بہترین شخص ہے کیا ہی اچھا ہو تہجد بھی پڑھنے لگے۔''

سالم جو عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے ہیں بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشادِ گرامی کے بعد میرے والد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما رات کو بس برائے نام ہی سوتے تھے۔

سادگی کا یہ حال تھا کہ حضرت سعید بن جبیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مسئلہ دریافت کرنے کے لیے ان کے ہاں حاضر ہوا مجھے اندر گھر میں ہی بلالیا، میں نے دیکھا کہ وہ اس ٹاٹ یا موٹے کپڑے پر لیٹے ہوئے ہیں جو ان کے اونٹ پر کجاوہ کے نیچے ڈالا جاتا ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو قاضی بنانا چاہا لیکن ان کے اصرار کے باوجود کسی طرح راضی نہ ہوئے۔

اتباعِ سنت کا غیر معمولی اہتمام کرتے، اس معاملے میں کسی کی رعایت نہ کرتے ایک بار ایک شخص نے ان سے حج تمتع کے بارے میں دریافت کیا کہ تمتع کرنا صحیح ہے یا نہیں؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بالکل صحیح ہے، اس شخص نے کہا کہ آپ کے والد صاحب تو تمتع کرنے سے منع کرتے تھے، عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا یہ بتلاؤ کہ اگر میرے والد صاحب منع کرتے ہوں لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہو تو کیا میرے والد صاحب کی اتباع کی جائے گی یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی؟ اس شخص نے کہا کہ اتباع تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی کی جائے گی، اس کے بعد فرمایا: تو سن لو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو حج تمتع ہی کیا ہے۔

صحابہ وتابعین ان کے فضل وکمال کے بہت معترف تھے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ان چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں شمار کیا ہے جن کو محدثین نے مکثرین فی الروایۃ کے

طبقہ میں ذکر کیا ہے ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۱۶۳۰ ہے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے بعد وہ سب سے زیادہ احادیث نقل کرنے والے صحابی ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد تقریباً ساٹھ سال زندہ رہے، غزوات میں شرکت کے علاوہ زندگی کا اکثر حصہ مدینہ اور مکہ ہی میں گزرا، لوگ جوق در جوق آتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا علم حاصل کرتے، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی وفات کے بعد بڑے مشکل حالات میں بھی وہ راہِ اعتدال پر ہی گامزن رہے۔

مکہ مکرمہ ہی میں ۷۳ یا ۷۴ھ میں تقریباً ۸۷ سال کی عمر میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

تشریح:

جس طرح اس مادی عالم کی مادی چیزوں میں خوشبو اور بدبو ہوتی ہے اسی طرح اچھے اور برے اعمال اور کلمات میں بھی خوشبو اور بدبو ہوتی ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ کے فرشتے اسی طرح محسوس کرتے ہیں جس طرح ہم یہاں کی مادی خوشبو اور بدبو کو محسوس کرتے ہیں اور کبھی کبھی وہ اللہ کے بندے بھی اس کو محسوس کرتے ہیں جن کی روحانیت ان کی مادیت پر غالب آجاتی ہے۔

دورویہ کے بارے میں وعید

۱۲۔ عَنْ عَمَّارٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((مَنْ كَانَ ذَا وَجْهَيْنِ فِي الدُّنْيَا كَانَ لَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَارٍ)).

[سنن الدارمي: كتاب الرقاق، باب ما قيل في ذي الوجهين، رقم: ٢٦٤٦]

''حضرت عمار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص دنیا میں دورویہ

رکھتا ہوگا قیامت کے دن اس کے (منہ میں) آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔''

راوی الحدیث:

حضرت عمار رضی اللہ عنہ کے والد کا نام یاسر ہے جو یمن کے رہنے والے ہیں جو بعد میں مکہ مکرمہ آ گئے تھے، اور عمار رضی اللہ عنہ کی والدہ کا نام سمیہ رضی اللہ عنہا تھا، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے اولین ایمان لانے والے سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ اور ان کے والد یاسر رضی اللہ عنہ کو شمار کیا ہے۔

مشرکینِ مکہ نے ان کو آگ میں جھلسانے کی تکلیفیں دیں تا کہ یہ اسلام سے روگردانی اختیار کریں، لیکن یہ ایک پہاڑ ثابت ہوئے جو کہ اپنی جگہ سے نہیں ہلتا، ان کو جب بھی آگ کی سزا ہوتی اور سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم پاس سے گزرتے تو فرماتے: **اصبروا یا آل یاسر! فان موعدکم الجنة** ''یعنی اے آل یاسر! صبر کرو، تمہارے لیے جنت کا وعدہ ہے۔''

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان سے بڑی محبت تھی، ان کی حاضری اور ملاقات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش ہوتے، ایک بار حضرت عمار رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر حاضر ہوئے اور اندر داخل ہونے کی اجازت چاہی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إئذنوا له مرحبا بالطيب المطيب.

''بلا لو ان کو اور فرمایا: خوش آمدید اس شخص کو جو ہر طرح پاک وصاف ہے۔''

حضرت عمار رضی اللہ عنہ ۹۳ سال کی عمر میں جنگ صفین میں شہید ہوئے۔

تشریح:

دورویہ اصل میں منافق صفت آدمی کو کہتے ہیں یعنی وہ شخص جو کسی کے حق میں مخلص نہ ہو، زبان سے کچھ کہے اور دل میں کچھ رکھے جب کسی کے سامنے بات کرے تو اس طرح کرے کہ مخاطب یہ سمجھے کہ یہ میرا بڑا دوست وہمدرد ہے مگر جب اس کے پیٹھ پیچھے بات

کرے تو زبان سے ایسے الفاظ نکالے جو اس کے لیے تکلیف کا باعث ہوں۔

بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ دو رویہ والا اس شخص کو کہتے ہیں جو آپس میں مخاصمت رکھنے والے دو آدمیوں میں سے ہر ایک کے منہ دیکھی بات کرے ایک کے پاس جائے تو اس کی پسند کی باتیں کرے اور وہ یہ سمجھے کہ یہ میرا دوست ہے اسی طرح دوسرے کے پاس جائے تو اس کی پسند کی باتیں کہے اور وہ سمجھے کہ یہ میرا دوست ہے غرضیکہ دونوں میں سے ہر ایک کے پاس اپنی محبت ظاہر کرے اور دوسرے کی برائی کرے اسی طرح دونوں ہی اس کے بارے میں غلط فہمی کا شکار رہیں اور ہر ایک یہ سمجھتا رہے کہ یہ میرا دوست و ہمدرد اور مددگار ہے اور میرے مخالف کا دشمن و بدخواہ!

مومن کا وصف

۱۲ ۔ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِیْءِ)).

[ترمذی: کتاب الدعوات، باب ما جاء فی اللعنة، رقم:۱۹۷۷، و بیہقی فی شعب الایمان، باب فی حفظ اللسان، رقم: ۵۱۴۹]

''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مومن کی یہ عادت نہیں ہے کہ وہ لعن طعن کرے یا فحش گوئی یا بے ہودہ کلام کرے۔''

تشریح:

اس حدیث میں ایک مسلمان کے کمال ایمان کی نشانیوں میں سے چند کا ذکر کیا گیا ہے۔ کلمہ توحید پڑھ لینے کے بعد ایمان کی تکمیل کے لیے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی

ہے۔ ان میں سے ایک اپنی زبان کو ہر طرح کی خرافات سے محفوظ رکھنا ہے۔ حدیث میں طعّان اور لعّان مبالغہ کے صیغوں سے بیان کئے گئے ہیں مطلب یہ ہے کہ مومن کثرت سے کسی کو لعن طعن نہیں کرتا اور نہ ہی اس کو اپنی عادت بناتا ہے کہ ذرا ذرا سی بات پر وہ اپنی زبان سے ایسے سخت الفاظ کو ادا کرے۔ لعنت کا مطلب رحمت الٰہی سے دور ہونا ہے۔ اور سچے دل سے کلمہ توحید پڑھ لینے والا شخص مسلمان ہونے کے ساتھ ساتھ رحمت الٰہی کا مستحق ہو جاتا ہے۔ لعنت کے اصل حقدار تو وہ کافر اور مشرک ہیں جو کفر اور شرک کی حالت میں ہی فوت ہو جاتے ہیں ان کے متعلق تو اللہ تعالیٰ خود اپنے کلام میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَیْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ﴾۔ (البقرۃ: ۱۶۱) اس بنا پر کوئی مسلمان لعنت کا مستحق نہیں ہو سکتا اور کافر بھی اس وقت لعنت کا مستحق بنتا ہے جبکہ وہ کفر کی حالت میں مر جائے۔ کسی مسلمان کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ کسی کو بھی خواہ مسلمان ہو یا کافر لعن طعن کرے کیونکہ اس طرح آپس میں نفرت کی فضا پیدا ہوگی جس سے معاشرے میں بھی بگاڑ آئے گا۔ اس کے ساتھ فاحش اور بذی کا بھی بیان فرمایا کہ مومن اپنی زبان کو بے حیائی کی باتوں سے اور برے لہجوں سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ احادیث میں ان کے علاوہ بھی مومن کی چند صفات بیان کی گئی ہیں جن کا تعلق زبان سے ہے۔ مثلاً جھوٹ بولنا، غیبت کرنا، گالیاں دینا وغیرہ۔ اور یہ تمام ایسی بری خصلتیں ہیں جن سے مسلمان کا انفرادی کردار بھی متاثر ہوتا ہے اور معاشرے کی اجتماعی زندگی پر بھی اس کا بہت برا اثر پڑتا ہے۔ اس بنا پر تکمیل ایمان کے لیے زبان کی حفاظت کو ایک اہم جزؤ قرار دیا گیا ہے بلکہ انسانی وجود کی سلامتی کے لیے بھی انسان کی زبان ایک نہایت اہم جزؤ ہے کیونکہ ایک حدیث میں اللہ کے رسول ﷺ کے مطابق انسانی وجود کے تمام اعضاء ہر صبح کو زبان کے آگے التجا کرتے ہیں کہ اللہ کے واسطے ہمارا خیال رکھیں کیونکہ

اگر تو صحیح طریقے سے استعمال ہوئی تو ہم آج کا دن آرام وسکون سے گزار لیں گے اور اگر تو غلط طریقے سے استعمال ہوئی تو اس کی سزا ہمیں بھگتنی پڑے گی اور ہم تکلیف ومصیبت میں پڑ جائیں گے۔

آپ یہ بات تو صاف ظاہر ہے کہ جب زبان سے کسی کو لعن وطعن یا گالی گلوچ کی جاتی ہے یا کسی کی توہین وبے عزتی کی جاتی ہے تو نتیجہ میں دونوں فریقین کے مابین لڑائی جھگڑا شروع ہو جاتا ہے کبھی کسی نے یہ نہیں کیا کہ میں نے اس زبان کو سزا دینی ہے جس نے مجھے لعن طعن کی یا گالی دی یا میری بے عزتی کی۔ زبان یہ سارا فتنہ پیدا کرنے کے باوجود محفوظ رہتی ہے۔ چوٹیں اور تکلیفیں اس وجود کو برداشت کرنی پڑتی ہیں اسی بنا پر نبی مکرم ﷺ نے اپنی مقدس تعلیمات میں زبان کی حفاظت پر بڑا زور دیا ہے تاکہ انسان خود بھی آرام وسکون سے زندگی گزاریں اور جو مصیبتیں اور آفتیں زبان کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں ان سے معاشرہ بھی محفوظ رہے۔ اس کے علاوہ مسلمان اللہ کی ناراضگی اور آخرت کی شرمندگی وعذاب سے بھی محفوظ رہیں۔ نبی مکرم ﷺ کی مقدس تعلیمات تو ایسی ہیں کہ مسلمان تو کیا اگر کافر بھی ان کو اپنا لیں تو دنیاوی اعتبار سے ان کا معاشرہ بھی ایک مثال معاشرہ بن جائے گا۔

تائب کو طعنہ دینے کا گناہ

۱۴۔ عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ مَعَاذٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ عَيَّرَ أَخَاهُ بِذَنْبٍ لَمْ يَمُتْ حَتّٰى يَعْمَلَهُ يَعْنِيْ مِنْ ذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْهُ)). رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب وليس اسناده بمتصل لان خالدا لم يدرك معاذبن جبل.

[ترمذی: کتاب صفة القیامة، باب، رقم: ۱۹۷٤]

''حضرت خالد بن معدان حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوشخص اپنے (مسلمان) بھائی کوکسی گناہ پر عار دلاتا ہےتو وہ عار دلانے والا مرنے سے پہلے خود بھی اس گناہ میں (کسی نہ کسی طرح ضرور) مبتلا ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد اس سے وہ گناہ تھا جس سے اس نے توبہ کر لی ہو۔''

ترمذی نے اس روایت کونقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کی سند متصل نہیں ہے کیونکہ خالد نے حضرت معاذ کا زمانہ نہیں پایا ہے۔

راوی الحدیث:

ایک انتہائی حسین وجمیل خوبرونوجوان جس کی عمر ابھی بیس سال بھی نہ تھی کہ بیت عقبہ ثانیہ یا ثالثہ کے موقع پر مدینہ سے مکہ مکرمہ حاضر ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک میں اپنا ہاتھ دے کر اسلام پر جینے اور مرنے اور مرتے دم تک اسلام کی خدمت وحمایت کی بیعت کر رہا تھا۔

اسے ایمان کی دولت حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کے ذریعے نصیب ہوئی تھی، جنہیں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہجرت فرمانے سے پہلے ہی مدینہ کے لوگوں کو دین کی دعوت اور قرآن وسنت کی تعلیم کے لیے بھیجا تھا اس نوجوان کا نام معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ ہے۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نوعمری ہی میں سعادت ایمانی سے نواز دیے گئے تھے، انہوں نے قرآنِ مجید وسنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور دینی مسائل کی تحصیل براہِ راست رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اس کم عمری ہی میں قرآن وسنت اور دینی مسائل کا بڑا عالم قرار دے دیا تھا، اپنی حیات ہی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو قرآنِ مجید

کا معلم بنایا تھا ان میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی ہیں، صحیح بخاری وغیرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ان الفاظ میں نقل کیا گیا ہے:

إستقرؤا القرآن من أربعة من ابن مسعود وسالم مولی ابی حذیفة وأُبَیّ ومعاذ بن جبل۔

یعنی ان چار حضرات سے جن میں معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ بھی ہیں قرآنِ مجید پڑھا کرو۔

۱۰ھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا اور مدینہ سے اس شان سے رخصت فرمایا کہ معاذ رضی اللہ عنہ (آپ کے حکم کے مطابق) گھوڑے پر سوار ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیدل ان کے ساتھ چل رہے ہیں، حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے بار بار عرض کرنے کے باوجود بھی ان کو گھوڑے سے اترنے کی اجازت نہیں دی، رخصت کرتے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو دین کی دعوت اور اسلامی حکومت کے سلسلے کی بہت سی نصیحتیں فرمائیں، اسی سلسلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے سوال فرمایا کہ اے معاذ! وہاں کے لوگوں کے درمیان اگر قضاء یعنی مقدمات کے فیصلے کرنے کی ضرورت پڑے گی تو کس طرح فیصلے کرو گے؟ انہوں نے عرض کیا: اولاً تو کتاب اللہ کے حکم کے مطابق فیصلہ کروں گا اور اگر اس معاملے کا حل کتاب اللہ میں نہیں ملے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں اس کا حل تلاش کروں گا ورنہ پھر خود خوب غور وفکر کر کے فیصلہ کروں گا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس جواب کو بہت پسند فرمایا اور ارشاد فرمایا: ”تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے میرے قاصد کو خیر اور صحیح طریقہ کی توفیق عطا فرمائی۔“ اسی موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ غالباً ہو سکتا ہے کہ یہ ہماری آخری ملاقات ہو، جس پر دونوں کی آنکھوں سے آنسو بہہ پڑے تھے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ یمن گئے تھے پھر آپ کی

وفات کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں واپس آئے اور ملک شام کی طرف بغرض جہاد چلے گئے، اس موقع پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ سے کہا تھا معاذ رضی اللہ عنہ کے علم کی اہل مدینہ کو بہت ضرورت ہے ان کے جانے سے مدینہ میں علم کا بہت خلاء ہو جائے گا، آپ انہیں ملک شام جانے کے ارادے سے باز رکھیے، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ایک اللہ کا بندہ شوق شہادت کے جذبہ سے میدانِ جہاد کے لیے جا رہا ہے میں اسے نہیں روک سکتا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ ملک شام جان کے بعد وہاں طاعون کے مرض میں مبتلا ہوئے اور اسی میں ۱۷ یا ۱۸ھ میں شہید ہو گئے۔ (سیر اعلام النبلاء: ۱/ ۴۵۲)

تشریح:

کسی مسلمان کا بتقاضائے بشریت کسی گناہ میں مبتلا ہو جانا اور پھر شرمندہ و نادم ہو کر اس گناہ سے توبہ کر لینا اس کی سلامتی طبع اور حسن ایمان کی علامت ہے اس صورت میں کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں ہوتا کہ وہ اس مسلمان کو اس کے اس گناہ پر شرم و غیرت دلائے اور اس کو سرزنش و ملامت کرے ہاں اگر اس نے اس گناہ سے توبہ نہیں کی ہے اور اس گناہ میں مبتلا ہے تو پھر اس کو شرم و غیرت بھی دلائی جا سکتی ہے اور سرزنش و ملامت بھی کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس کو شرم و غیرت دلانا اور سرزنش و ملامت کرنا بطریق تکبر و بقصد تحقیر نہ ہو بلکہ تنبیہ و نصیحت کے طور پر اور اس کو اس گناہ سے باز رکھنے کے قصد سے ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ ارشاد کی یہ وضاحت کہ ''رسول اللہ کی مراد اس سے وہ گناہ تھا..'' حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ سے منقول ہے اور یہ الفاظ اس روایت کے آخر میں نقل کئے جاتے ہیں۔

امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے اس روایت کو اگرچہ غریب کہا ہے اور اس میں کلام کیا ہے لیکن عراقی کہتے ہیں کہ اس روایت کو احمد اور طبرانی نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے۔

مسلمان لعنت نہیں کرتا

۱۵۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : ((لَا يَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ لَعَّانًا)).

[ترمذی، کتاب البر، باب ماجاء فی اللعنة، رقم:۱۹۷۷]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مومن لعنت کرنے کا عادی نہیں ہوتا۔''

نوٹ:

اس حدیث کی وضاحت حدیث نمبر: ۱۰ میں گزر چکی ہے۔

مؤمن جھوٹ نہیں بولتا

۱۶۔ عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ رحمہ اللہ اَنَّهُ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم : أَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا؟ قَالَ: ((نَعَمْ)). فَقِيْلَ لَهُ : اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِيْلًا؟ قَالَ: ((نَعَمْ)) ، فَقِيْلَ لَهُ : اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا؟ قَالَ: ((لَا)).

[موطا الامام مالك: كتاب الكلام، باب ما جاء في الصدق والكذب، رقم:۱۹، والبيهقي في شعب الإيمان، باب في حفظ اللسان، رقم:۴۸۱۲]

''حضرت صفوان بن سلیم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا مومن بزدل ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہوسکتا ہے۔ پھر آپ سے پوچھا گیا کہ کیا مومن بخیل ہوسکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہوسکتا ہے۔ پھر جب آپ سے پوچھا گیا کہ مومن جھوٹا ہوسکتا ہے؟ تو آپ نے فرمایا: نہیں۔''

راوی الحدیث:

آپ کی کنیت ابوعبداللہ یا ابوالحارث ہے، بنوزہرہ کا مولیٰ ہونے کی وجہ سے زُہری

کہلاتے ہیں، آپ مدینہ کے رہنے والے ممتاز فقیہ ہیں۔

ابوہمزہ کہتے ہیں میں نے انہیں اتنا سرگرم عمل دیکھا ہے کہ اگر کہا جائے کل قیامت ہے تو ان سے اس سے زیادہ عمل متصور نہیں ہوسکتا، ابن عیینہ فرماتے ہیں کہ صفوان بڑے زاہد و عابد تھے، کثرت سجود کی وجہ سے ان کی پیشانی زخمی ہوگئی تھی۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: سردی اور گرمی کی شدت سے بیدار رہنے کے لیے صفوان رضی اللہ عنہ سردیوں میں چھت پر اور گرمیوں میں مکان کے اندر نماز پڑھتے تھے اور قیام کرتے کرتے ان کے پاؤں سوجھ جاتے تھے۔

حضرت صفوان رضی اللہ عنہ کی وفات ۱۳۲ھ میں ہوئی۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ کوئی مومن کسی موقع پر بزدلی دکھا سکتا ہے اور کسی صورت میں بخیل بھی ہوسکتا ہے لیکن وہ جھوٹا نہیں ہوسکتا کیونکہ ایمان کی صداقت وحقانیت، کذب کے منافی ہے جو اپنی اصل اور نفس الامر کے اعتبار سے باطل وناحق ہے۔

حدیث میں کذاب مبالغہ کے صیغہ کے ساتھ ذکر کرنا اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر بتقاضائے بشریت کسی موقع پر مومن سے جھوٹ سرزد ہو جائے، جیسا کہ بسااوقات دنیا کی کسی ناجائز غرض کے تحت نہیں بلکہ مصالح اور حکمت عملی کے پیش نظر جھوٹ بولنا بھی ضروری ہو جاتا ہے تو ایسی صورت مستثنیٰ ہے اس کو ایمان کے منافی نہیں کہا جاسکتا۔

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کو حد سے نہ بڑھانا

۱۷۔ عَنْ عُمَرَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم :((لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ

النَّصَارَی ابْنَ مَرْیَمَ، فَإِنَّمَا أَنَا عَبْدُہٗ فَقُوْلُوْا: عَبْدُاللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ))۔

[بخاری: کتاب أحادیث الأنبیاء، باب قول اللہ ﴿واذکروا فی الکتاب مریم﴾، رقم: ۳٤٤٥،

وأحمد: کتاب مسند العشرۃ المبشرین بالجنۃ، باب أول مسند عمر بن الخطاب، رقم: ۱٤۹]

''حضرت عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم لوگ میری مدح وتعریف میں حد سے زیادہ تجاوز نہ کرو جس طرح کہ نصاری نے ابن مریم علیہ السلام (حضرت عیسی) کی تعریف میں حد سے تجاوز کیا ہے (کہ ان کو بشریت سے چڑھا کر اللہ اور اللہ کا بیٹا کہنے لگے ہیں) میں تو اللہ کا بندہ ہوں لہٰذا تم (مجھ کو) اللہ کا بندہ اور اس کا رسول کہو۔''

راوی الحدیث:

آپ کی کنیت ابوحفص، لقب فاروق اور نام عمر بن خطاب تھا، قریش کے مشہور قبیلہ بنو عدی سے تعلق رکھتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وزیر با تدبیر تھے، آپ کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے اسلام کو قوت بخشی اور آپ کے عہدِ حکومت میں بہت سے علاقے فتح ہوئے، آپ راست گفتار اور ملہم من اللہ تھے، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق بات آپ کے دل میں القا کی جاتی تھی، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

''اگر میرے بعد کوئی نبی ہوتا تو وہ عمر ہوتا۔''

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

''تم سے پہلی امتوں میں محدث یعنی ایسے لوگ ہوتے تھے جو اللہ کی طرف سے الہام کی نعمت سے خاص طور پر نوازے جاتے تھے، تو اگر میری امت میں سے کسی کو اس نعمت سے خاص طور پر نوازا گیا تو وہ عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔'' (متفق علیہ)

''محدث'' اللہ تعالیٰ کے اس خوش نصیب بندے کو کہا جاتا ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی

طرف سے بکثرت الہامات ہوتے ہوں اور اس بارے میں اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا خصوصی معاملہ ہو اور وہ نبی نہ ہو کسی نبی کا امتی ہو۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ نے عمر رضی اللہ عنہ کی زبان اور اس کے قلب میں حق رکھ دیا ہے۔'' (ترمذی)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وافقت ربی فی ثلاث: فی مقام ابراهیم وفی الحجاب وفی اساری بدر. (متفق علیه)

میں نے تین باتوں میں اپنے رب سے موافقت کی (یعنی میری رائے وہ ہوئی جو اللہ تعالیٰ کا حکم آنے والا تھا) (۱) مقام ابراہیم کے بارے میں میں نے یہ خواش ظاہر کی کہ کاش ایسا ہوتا کہ مقام ابراہیم کو خصوصیت سے نماز کی جگہ قرار دے دیا جائے تو سورہ بقرہ کی آیت نمبر: ۱۲۵ نازل ہوئی اور اس میں حکم آ گیا ﴿وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرَاهِيْمَ مُصَلًّى﴾ آیت کا سہل الفہم مطلب یہ ہے کہ طواف کے بعد جو دو رکعتیں پڑھی جاتی ہیں وہ مقام ابراہیم کے پاس پڑھی جائیں۔

(۲) جب تک مستورات کے لیے حجاب یعنی پردے کا کوئی حکم نازل نہیں ہوا تھا، عام مسلمانوں کی طرح رسول اللہ ﷺ کے گھروں میں بھی بضرورت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی آمد و رفت ہوتی تھی، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے دل میں اللہ تعالیٰ نے داعیہ پیدا فرمایا کہ خاص کر ازواجِ مطہرات کے لیے حجاب کا خصوصی حکم آ جائے، چنانچہ اس بارے میں آیت نازل ہو گئی: ﴿وَاِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَاسْئَلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ﴾ (احزاب: ٥٤)

(۳) غزوۂ بدر میں مسلمانوں کی فتح اور مشرکین کی شکست کے بعد ان کے جو آدمی

گرفتار کر کے قیدی بنائے گئے ان کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے یہ تھی کہ یہ سب اسلام، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے جانی دشمن اور اکابر مجرمین ہیں، ان سب کو قتل کر دیا جائے، ان کو زندہ چھوڑ دینا ایسا ہی ہے جیسے زہریلے سانپوں کو زندہ چھوڑنا، اس بارے میں بھی سورۂ انفال کی آیات نازل ہوئیں۔

حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں ہی ایران فتح ہوا، ایران کے جو مجوسی جنگی قیدیوں کی حیثیت سے گرفتار کر کے لائے گئے وہ شرعی قانون کے مطابق مسلمانوں میں تقسیم کر دیے گئے کہ ان سے غلام اور خادم کی حیثیت سے کام لیں اور ان کے کھانے پینے وغیرہ ضروریات زندگی کی کفالت کریں اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں، ایران سے آئے ہوئے ان اسیران جنگ میں ایک بدبخت ابولؤلؤ فیروز نامی مجوسی بھی تھا جو مشہور صحابی مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کے حوالے کیا گیا، اس نے فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کو شہید کرنے کا منصوبہ بنایا ایک خنجر تیار کیا اور اس کے بعد رات میں مسجد شریف کے محراب میں چھپ کر بیٹھ گیا، فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ فجر کی نماز بہت سویرے اندھیرے میں شروع کرتے ذی الحجہ کی ۲۷ تاریخ تھی وہ حسب معمول فجر کی نماز کے لیے تشریف لائے اور محراب میں کھڑے ہو کر نماز پڑھانی شروع کر دی ابھی تکبیر تحریمہ ہی کہی تھی کہ اس خبیث ایرانی مجوسی نے اپنے دو دھاری خنجر سے تین کاری زخم آپ کے شکم مبارک پر لگائے، آپ بے ہوش ہو کر گر گئے تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے نماز پڑھائی، آپ پر حملہ کے بعد اس مجوسی نے اپنے آپ کو بھی قتل کر لیا۔

تین دن بعد امیر المؤمنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ یکم محرم بروز ہفتہ شہید ہو گئے، آپ کا جنازہ حضرت صہیب رضی اللہ عنہ نے پڑھایا اور روضہ اقدس میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں آپ دفن کیے گئے۔

تشریح:

عبودیت اور بندگی کا جو سب سے اعلیٰ درجہ ہے، وہ رسول اللہ ﷺ کی مخصوص صفت ہے، کہ بندہ حقیقی آپ کی ذات گرامی ہے اور صفت عبودیت میں آپ ﷺ سب سے کامل وبرتر ہیں لہٰذا آپ کی مدح وتعریف کا کمال اور آپ کے علو مرتبت کا بیان اسی صفت کو ظاہر کرنے میں ہے نہ کہ آپ کی ذات گرامی ﷺ کی منقبت وتعریف ایسے الفاظ سے اور ان صفات کے ذریعہ کی جائے کہ جس سے آپ ﷺ کا مقامِ عبودیت پیچھے رہ جائے اور وہ مقام آ جائے جہاں سے معبود کی صفات شروع ہو جاتی ہیں۔

جاہلیت کی باتوں پر فخر نہ کرنا

۱۸۔ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ عَنِ النَّبِیِّ ﷺ: ((اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ، وَفَخْرَهَا بِالْآبَاءِ ، اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ أَوْ فَاجِرٌ شَقِيٌّ. اَلنَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ)).

[أبوداود: كتاب الأدب، باب في التفاخر بالأحساب، رقم:۱۱٦، والترمذی: كتاب المناقب، باب في فضل الشام واليمن، رقم:۳۹۵۵]

''ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ نے جاہلیت کے طور طریقے اور اپنے باپ دادا کے حوالے سے فخر کرنا سب ختم کر دیا ہے۔ اب صرف مومن ہے گناہوں سے محفوظ یا فاجر ہے بدبخت۔ تمام انسان آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے بنائے گئے تھے۔''

تشریح:

زمانۂ جاہلیت میں عرب کے لوگوں میں یہ بات بہت عام تھی کہ وہ آپس میں اپنے

اپنے باپ دادا کے کارناموں کا تذکرہ کر کے ایک دوسرے پر اپنی برتری وفضیلت ظاہر کرنے کی اور دوسروں کی تحقیر کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے چاہے ان کے باپ دادا نیک وشریف ہوتے چاہے گنہگار و بدکار۔ اسلام کے آجانے کے بعد بھی کچھ مسلمانوں نے اسی جاہلیت کی روش کو اختیار کرنے کی کوشش کی۔ اس پر نبی مکرم ﷺ نے انہیں منع فرمایا اور یہ بات سمجھائی کہ اسلام میں اس قسم کی باتوں کی کوئی گنجائش نہیں اگر کسی کے باپ دادا نیک وشریف ہوں تو اس کا اجر وثواب تو ان کو ملے گا اولاد کو اس کا کچھ فائدہ نہیں۔ جس طرح جب ایک کاروباری انسان کسی کے ساتھ کوئی کاروباری معاملہ کرنا چاہتا ہے تو وہ کبھی اس بات کو مدنظر نہیں رکھتا کہ جس سے کاروباری معاملہ کرنا ہے اس کے باپ دادا اور کامیاب کاروباری تھے یا نہیں وہ اگرچہ اچھے اور کامیاب کاروباری ہوں لیکن محض ان کی قابلیت پر معاملہ نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اس سے اس کی قابلیت کے متعلق سوال کیا جاتا ہے کہ ٹھیک ہے تمہارے باپ دادا بڑے اچھے اور کامیاب کاروباری تھے لیکن ہم نے کاروبار ان کے ساتھ نہیں تمہارے ساتھ کرنا ہے تم اپنی قابلیت بتاؤ پھر اگر وہ انسان اپنی قابلیت ثابت کر دے تو دونوں کے درمیان معاملہ طے ہو جاتا ہے ورنہ معاملہ ختم ہو جاتا ہے۔

قیامت کے دن اللہ بھی ہر انسان سے اس کی قابلیت کے مطابق معاملہ کرے گا اگر باپ دادا نیک ہوں گے تو ان کا اجر وثواب انہی کو ملے گا اولاد کو نہیں اور اگر باپ دادا کافر ومشرک ہوئے یا مسلمان ہونے کے باوجود گنہگار اور بدکردار ہوئے تو ان کا گناہ وعذاب بھی انہی کو بھگتنا پڑے گا اولاد کو نہیں۔ اولاد کے ساتھ ان کے اعمال کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔ اس لیے باپ دادا کی بنا پر خود کو بڑا اور دوسروں کو حقیر سمجھنا چھوڑ دو اور اس حقیقت کو ذہن میں رکھو کہ تمام انسان آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ایک باپ کی اولاد ہونے کی حیثیت سے تمام انسان برابر ہیں۔ ہاں اللہ کی نظر میں بڑا اور افضل وہ ہے جو زیادہ متقی

ہے جیسا کہ اللہ نے اپنے کلام میں ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ أَتْقَاكُمْ﴾ [الحجرات: ١٣]

''تم لوگوں میں اللہ کے نزدیک زیادہ عزت والا اور قابل فضیلت وہ شخص ہے جو زیادہ نیک، پرہیزگار اور متقی ہے۔''

نہ زیادہ مال و دولت والا اور زیادہ اولاد والا۔ لیکن یہ برتری اور کمتری اللہ کی نظر میں ہے۔ دنیا میں رہتے ہوئے انسانیت کے حوالے سے اور ایک باپ آدم علیہ السلام کی اولاد ہونے کی حیثیت سے سب برابر ہیں کوئی افضل اور کوئی حقیر نہیں۔

بڑا بدنصیب کون ہے؟

١٩۔ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((رَغِمَ أَنْفُهُ، رَغِمَ أَنْفُهُ، رَغِمَ أَنْفُهُ)) قِيْلَ: مَنْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((مَنْ أَدْرَكَ وَالِدَيْهِ عِنْدَ الْكِبَرِ، أَوْ كِلَاهُمَا ثُمَّ لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ)).

[مسلم: كتاب البر والصلة والأداب، باب رغم أنف من أدرك أبويه، رقم: ٤٦٢٧]

''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی ذلیل ہو، وہ خوار ہو، وہ رسوا ہو، عرض کیا گیا، یارسول اللہ! کون؟ آپ نے فرمایا: وہ بدنصیب' جو ماں باپ کو یا دونوں میں سے کسی ایک کو بڑھاپے کی حالت میں پائے، پھر جنت حاصل نہ کر لے۔''

تشریح:

حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک حدیث مروی ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ ماں باپ تمہاری جنت اور تمہاری دوزخ ہیں یعنی ماں باپ کی خدمت اور راحت رسانی جنت

حاصل کرنے کا خاص وسیلہ ہے اور اس کے برعکس ان کی نافرمانی اور ایذاء رسانی آدمی کو دوزخی بنا دیتی ہے پھر یہ بھی ظاہر ہے کہ جب ماں باپ بڑھاپے کی عمر کو پہنچ کے از کار رفتہ ہو جائیں تو اس وقت وہ خدمت اور راحت رسانی کے زیادہ محتاج ہوتے ہیں اور اس حالت میں ان کی خدمت اللہ تعالیٰ کے نزدیک نہایت محبوب اور مقبول عمل اور جنت تک پہنچنے کا سیدھا راستہ ہے۔ پس اللہ تعالیٰ جس بندے کو اس کا موقع میسر فرمائے اور وہ ماں باپ کا یا دونوں میں سے کسی ایک ہی کا بڑھاپا پائے، اور پھر ان کی خدمت کر کے جنت تک نہ پہنچ سکے بلاشبہ وہ بڑا بدنصیب اور محروم ہے اور ایسوں کے حق میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ وہ نامراد ہوں، ذلیل وخوار ہوں، رسوا ہوں۔

ماں کا حق باپ پر

۲۰۔ عَنْ أَبِیْ هُرَیْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَجُلٌ: یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! مَنْ أَحَقُّ بِحُسْنِ الصُّحْبَةِ؟ قَالَ: ((أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ أُمُّكَ ثُمَّ اَبَاكَ ثُمَّ اَدْنَاكَ فَاَدْنَاكَ)).

[بخاری: کتاب الأدب، باب البر والصلة، رقم: ٥٩٧١، ومسلم: کتاب البر والصلة والأداب، باب بر الوالدین، رقم: ٦٦٢٢]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ: مجھ پر خدمت اور حسن سلوک کا سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا کہ تمہاری ماں، میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں، میں پھر کہتا ہوں تمہاری ماں، اس کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے، اس کے بعد جو تمہارے قریبی رشتہ دار ہوں پھر جو ان کے بعد قریبی رشتہ دار ہوں۔''

تَشریح:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی اس روایت میں سوال کرنے والے صحابی کا نام مذکور نہیں ہے لیکن جامع ترمذی اور سنن ابی داود میں بہز بن حکیم بن معاویہ قشیری سے روایت کیا گیا ہے کہ میرے دادا معاویہ بن حیدہ قشیری نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تھا کہ ''مَنْ اَبَرُّ؟ (مجھے کس کی خدمت اور کس کے ساتھ اچھا سلوک کرنا چاہیے) یعنی اس بارے میں سب سے زیادہ اور سب سے مقدم حق کس کا ہے۔ تو آپ نے فرمایا کہ'' اُمُّكَ'' (تمہاری ماں کا) انہوں نے پوچھا ''ثُمَّ مَنْ'' (پھر کس کا حق ہے) آپ نے پھر فرمایا ''اُمُّكَ'' (انہوں نے پھر پوچھا ''ثُمَّ مَنْ'' (پھر ماں کے بعد کس کا حق ہے؟) تو چوتھی دفعہ آپ نے فرمایا: ''اَبَاكَ ثُمَّ الْاَقْرَبَ فَالْاَقْرَبَ'' یعنی ماں کے بعد تمہارے باپ کا حق ہے، اس کے بعد درجہ بدرجہ اہل قرابت اور رشتہ داروں کا حق ہے کہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے۔

ان دونوں حدیثوں کا مضمون بلکہ سوال و جواب کے الفاظ بھی قریب قریب یکساں ہیں اس لیے اس کا بہت امکان ہے کہ صحیحین کی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں جس شخص کے سوال کا ذکر کیا گیا ہے وہ یہی معاویہ بن حیدہ قشیری ہوں جن کی حدیث ان کے پوتے بہز بن حکیم سے امام ترمذی اور امام ابوداود نے روایت کی ہے۔

ان دونوں حدیثوں کا صریح مدعا یہ ہے کہ خدمت اور حسن سلوک کے بارے میں ماں کا حق باپ سے زیادہ اور مقدم ہے۔ قرآن مجید سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ کئی جگہ اس میں ماں باپ کے ساتھ حسن سلوک کی تاکید کے ساتھ خاص طور سے ماں کی ان تکلیفوں اور مصیبتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ جو حمل اور ولادت میں اور پھر دودھ پلانے اور پالنے میں خصوصیت کے ساتھ ماں کو اٹھانی پڑتی ہیں۔

کبیرہ گناہوں کا ذکر

۲۱۔ عَنِ الْمُغِيْرَةِ ﷺ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ عَلَيْكُمْ عُقُوْقَ الْاُمَّهَاتِ ، وَوَأْدَ الْبَنَاتِ ، وَمَنْعَ وَهَاتِ ، وَكَرِهَ لَكُمْ قِيْلَ وَقَالَ، وَكَثْرَةَ السُّؤَالِ ، وَاِضَاعَةَ الْمَالِ)).

[بخاری: كتاب الإستقراض، باب ما ينهى عن إضاعة المال، رقم: ۲۴۰۸، ومسلم: كتاب الأقضية، باب النهي عن كثرة المسائل من غير حاجة، رقم: ۳۲۳۷]

''حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم پر اس امر کو حرام قرار دیا ہے کہ ماں کی نافرمانی کرو اور لڑکیوں کو زندہ دو گور کرو اور بخیلی وگدائی اختیار کرو نیز قیل وقال، سوال کی زیادتی اور مال ضائع کرنے کو تمہارے لیے مکروہ قرار دیا ہے۔''

راوی الحدیث:

حضرت مغیرہ کی کنیت ابوعبداللہ ہے، ثقفی ہیں، غزوہ خندق کے سال ۵ھ میں مسلمان ہوئے، ہجرت کی اور بعد میں کوفہ قیام فرمایا، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کو پہلے بصرے کا اور پھر کوفے کا گورنر بنایا تھا۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے دورِ خلافت میں بھی انہی کو کوفے کا خلیفہ بنایا، حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ نے معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے استحکام میں بڑے تدبر کا ثبوت دیا، بڑے بڑے کارنامے انجام دیے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ۵۰ھ میں فوت ہوئے اس وقت ان کی عمر ستر ۷۰ سال تھی۔

تشریح:

خاص طور پر ''ماں'' کا ذکر کرنا اس سبب سے ہے کہ اولاد پر ماں کے حقوق باپ سے زیادہ ہیں جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے کہ ماں کا حق باپ سے تین گنا ہے یا اس تخصیص کی بنیاد اس حقیقت پر ہے کہ ماں طبعی طور پر باپ سے زیادہ حساس اور کمزور دل ہوتی ہے باپ تو اولاد کی بڑی سے بڑی اذیت رسانی کو برداشت کر لیتا ہے لیکن ماں اپنی اولاد کی طرف سے ذرا سی بات میں رنجیدہ ہو جاتی ہے اگر اولاد اس کے حقوق کی ادائیگی اور اطاعت وفرمانبرداری کرنے میں معمولی سی بھی غفلت وکوتاہی کرتی ہے تو اس کا دل فوراً متاثر ہو جاتا ہے اور وہ سخت تکلیف محسوس کرتی ہے یہ اور بات ہے کہ اولاد کی تقصیر وکوتاہی سے جس قدر ماں درگزر کرتی ہے اتنا درگزر باپ نہیں کرتا اور اس کا سبب بھی ماں کا کمزور دل ہوتا ہے۔

''مَنَعَ یا مَنْعَ'' کے معنی روکنے اور محروم کرنے کے ہیں اور اس سے مراد بخل اور کنجوسی ہے۔

''ھَاتِ'' دراصل لفظ اٰتِ کے معنی میں ہے جو اِیْتَاء کا صیغہ امر ہے اور جس کے معنی ہیں لاؤ دو! یہاں اس لفظ کو مانگنے اور سوال کرنے یعنی کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کے مفہوم میں استعمال کیا گیا ہے علماء نے لکھا ہے کہ منع وھات سے مراد یہ ہے کہ اپنے مال پر دوسرے لوگوں کا جو حق واجب ہو اس کو ادا نہ کرے اور دوسروں کے مال میں سے وہ چیز لے جو اس کے لیے حلال نہیں ہے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ نہ صرف مال میں ''منع وھات'' کو حرام قرار دیا گیا ہے بلکہ ہر طرح کے حقوق واجبہ کو ادا نہ کرنا حرام ہے ان کا تعلق خواہ مال وزر سے ہو یا افعال واحوال سے اور خواہ اقوال وگفتار سے ہو یا اخلاق وکردار سے اسی طرح کسی ایسی چیز کا مطالبہ کرنا اور مانگنا جو دوسروں پر کسی بھی طرح کے حق کے طور پر واجب نہ ہو اور دوسروں کو کسی ایسی چیز کی ادائیگی وانجام دہی کی محنت ومشقت

میں مبتلا کرنا جوان پر واجب نہیں ہے، حرام ہے۔

''قِیلَ وَقَالَ'' یہ ایک محاورہ ہے جو ہماری زبان میں بھی اسی طرح مستعمل ہے اس کا اطلاق عام طور پر بے فائدہ بحث ومباحثہ، رد وکد اور حجت وتکرار پر ہوتا ہے یہاں حدیث میں بھی ''قیل وقال'' کو مکروہ قرار دینے کا مطلب بے فائدہ باتیں کرنے اور بک بک کرنے سے منع کرنا ہے جیسا کہ عام طور پر ہوتا ہے کہ جب بے فکرے لوگ کہیں آپس میں مل بیٹھتے ہیں تو اِدھر اُدھر کی لا یعنی باتوں میں لگ جاتے ہیں، نہ اس گفتگو کا کوئی با مقصد موضوع ہوتا ہے اور نہ کسی بات کا کوئی دینی ودنیاوی فائدہ ان کی بات چیت کا زیادہ تر موضوع غلط سلط واقعات کو نقل کرنا اور جھوٹے سچے اقوال کو بیان کرنا ہوتا ہے، چنانچہ کوئی کہتا ہے کہ فلاں شخص نے ایسا ایسا کہا ہے، فلاں آدمی نے اس طرح کہا تو فلاں شخص نے یوں جواب دیا۔ غرض یہ کہ اسی طرح کے بے سروپا اور لغو باتیں کر کے اور گپ شپ میں مشغول رہ کر وقت جیسی قابل قدر شئے کو ضائع کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ قیل وقال کی ممانعت اس صورت میں ہے جب کہ اس بحث ومباحثہ اور باہمی بات چیت کا مقصد کسی مسئلہ ومعاملہ کی تحقیق اور حصول معلومات نہ ہو ہاں اگر کسی معاملہ کی تحقیق، حصول معاملات اور دوسرے نیک مقاصد کے لیے باتوں میں مشغول رہا جائے اور لوگوں کے اقوال بیان کیے جائیں تو اس پر مذکورہ ممانعت کا اطلاق نہیں ہوگا بعض حضرات نے ''قیل وقال'' کی مراد بہت زیادہ باتیں کرنا لکھا ہے اور واضح کیا ہے کہ بہت زیادہ باتیں کرنا دل پر غفلت طاری کرتا ہے، بے حسی اور لاپرواہی میں مبتلا کرتا ہے اور وقت کو ضائع کرتا ہے۔

''کثرۃ السؤال'' یعنی سوال کی زیادتی، اس کے کئی معنی بیان کیے گئے ہیں ایک تو یہ کہ دوسرے لوگوں کے احوال ومعاملات کی بہت زیادہ پوچھا پاچھی اور تجسس ومعلومات کرنا، دوسرا یہ کہ اپنے علم کی برتری کو ظاہر کرنے یا کسی کو امتحان وآزمائش میں مبتلا کرنے یا

لا حاصل بحث ومناظرہ کی خاطر بہت زیادہ علمی سوالات کرنا اور کسی بات کو بہت زیادہ گھما پھرا کر پوچھنا اور تیسرا یہ کہ اس ممانعت کے مخاطب خاص طور پر صحابہ رضی اللہ عنہم تھے جنہیں اس بات کی ہدایت کی گئی تھی کہ وہ دینی احکام ومسائل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ سوالات نہ کیا کریں اور نہ اِدھر اُدھر کے معاملات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ پاچھ کیا کریں کیونکہ سوالات کی زیادتی وکثرت اور غیر ضروری پوچھا پاچھی کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کو ناگواری ہوتی ہے بلکہ زیادہ پوچھنا احکام ومسائل میں شدت وسختی اور مزید پابندیوں کا سبب بھی بن سکتا ہے جیسا کہ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے۔ ﴿لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْیَآءَ..﴾ (المائدۃ:۱۰۱) یعنی ایسی باتوں کے متعلق سوال مت کیا کرو کہ اگر وہ تم کو بتادی جائیں تو تم کو تکلیف (پریشانی) ہوگی۔

''اضاعۃ المال'' یعنی مال کو ضائع کرنے سے مراد یہ ہے کہ اپنے مال اور اپنے روپے پیسے کو اسراف یعنی فضول خرچی میں بہایا جائے یا اس کو ایسی جگہ خرچ کیا جائے جس کا حق تعالیٰ کی اطاعت وخوشنودی سے کوئی تعلق نہ ہو جیسے کوئی شخص اپنا سارا مال اور روپیہ پیسہ یا اس کا کچھ حصہ کسی دوسرے شخص کو دے دے مگر اس کے عزیز واقارب اور متعلقین محروم رہیں جو نہ صرف اپنے تعلق کی وجہ سے بلکہ اپنے احتیاج وضرورت کی بنا پر بھی اس کے مال اور روپیہ پیسہ پر اپنا حق رکھتے ہوں یا کوئی شخص اپنے مال واسباب اور دولت کو پانی میں ڈال دے یا نذر آتش کردے اور یا کسی ایسے فاسق کو دے دے جو اس کو گناہ ومعصیت کے کاموں میں خرچ کرے۔

''اضاعۃ المال'' کے مذکورہ بالا مسئلہ کو زیادہ تفصیل کے ساتھ یوں سمجھا جا سکتا ہے کہ اپنے مال ودولت اور روپیہ پیسہ کو جہاں خرچ کرنا حرام یا مکروہ ہے وہاں اپنے مال اور روپیہ پیسہ کو صرف کرنا بلاشبہ اسراف اور ضائع کرنا کہلائے گا۔ یہ دونوں صورتیں بالکل

واضح ہیں اس میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں! اشتباہ اس جگہ ہے جہاں خرچ کرنا بظاہر تو مباح معلوم ہوتا ہو لیکن اگر اچھی طرح غور وفکر کیا جائے تو اس خرچ کے نتیجہ سے برائیاں اور ظاہری وباطنی خرابیاں نکلیں مثلاً بلا ضرورت دور دراز کے علاقوں میں مکانات بنانا، مکانات میں بے ضرورت تعمیر وترمیم کر کے ان کو وسیع وعریض بنانا ان کی ناروا آرائش وزیبائش کی خاطر مال خرچ کرنا جہاں جس قدر خرچ کرنے کی ضرورت ہو اس سے زائد خرچ کرنا، محض نفس وطبیعت کے مزہ ولذت حاصل کرنے کے لیے حدّ اعتدال سے زیادہ کھانا اور اچھے اچھے کھانے کھانا، بڑائی جتانے اور اپنے آپ کو برتر ثابت کرنے کی خاطر اعلی پوشاک پہننا اور اپنی شان وشوکت کو ظاہر کرنے کے لیے اونچے درجہ کی طرح معاشرت اختیار کرنا اور ان سب صورتوں میں فقراء ومساکین اور مفلس وقلاش لوگوں کی ضرورت واحتیاج سے صرفِ نظر کرنا اور ان کی خستہ حالی ومحتاجی کی قطعاً کوئی رعایت نہ کرنا جیسا کہ خالص دنیا دار اور فضول خرچی کرنے والوں کا شیوہ ہے یہ ایسی چیزیں ہیں جن پر اپنا مال اور روپیہ پیسہ خرچ کرنا اگرچہ شریعت کے ظاہری حکم کی روشنی میں حرام قرار نہ پائے لیکن اس میں کوئی شبہ نہیں کہ اس طرح کے اخراجات قلب وطبیعت پر تنگی وسختی اور بے مروتی طاری ہونے کا سبب بنتے ہیں اور صورت حال سے سماج ومعاشرہ میں غیر فطری عدم توازن وناہمواری کی فضا بھی پیدا ہو جاتی ہے جس سے مختلف قسم کی برائیاں ظہور میں آتی ہیں۔

اسی طرح برتنوں، ہتھیاروں اور استعمال میں آنے والی دوسری چیزوں کو سونے جواہرات اور دیگر قیمتی اشیاء سے مزین کرنا، خرید وفروخت کے معاملات میں اس طرح لاپرواہی برتنا کہ نہ تو مال کے ڈوبنے کا خوف ہو جیسے ادھار لین دین کی مدت کو ضرورت سے زائد بڑھانا اور نہ اپنے روپے پیسے کی حفاظت کا لحاظ ہو جیسے ایسی تجارت یا معاملہ میں اپنا روپیہ لگانا جس میں نقصان کا یقین ہو یا کسی چیز کو خواہ مخواہ بلا ضرورت

گراں قیمت پر خریدنا اس طرح کی چیزیں بھی اسراف یعنی فضول خرچی اور اپنے مال کو ضائع کرنے کے حکم میں داخل ہیں۔

والدین کو گالی نہ دو

۲۲۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مِنَ الْكَبَائِرِ شَتْمُ الرَّجُلِ وَالِدَيْهِ)). قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! وَهَلْ يَشْتِمُ الرَّجُلُ وَالِدَيْهِ؟ قَالَ: ((نَعَمْ، يَسُبُّ اَبَا الرَّجُلِ، فَيَسُبُّ اَبَاهُ، وَيَسُبُّ اُمَّهُ، فَيَسُبُّ اُمَّهُ)).

[بخاری: كتاب الأدب، باب لا يسب الرجل والديه، رقم:۵۹۷۳، ومسلم: كتاب الإيمان، باب بيان الكبائر وأكبرها، رقم: ۱۳۰]

''حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: اپنے ماں باپ کو گالی دینا بھی کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔ عرض کیا گیا یارسول اللہ! کیا کوئی اپنے ماں باپ کو بھی گالی دے سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا: ہاں اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی آدمی کسی کے ماں باپ کو گالی دے پھر وہ جواب میں اس کے ماں باپ کو گالی دے (تو گویا اس نے خود ہی اپنے ماں باپ کو گالی دلوائی)۔''

تشریح:

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی آدمی کا کسی دوسرے کو ایسی بات کہنا یا ایسی حرکت کرنا جس کے نتیجہ میں دوسرا آدمی اس کے ماں باپ کو گالی دینے لگے اتنی ہی بری بات ہے جتنی کہ خود اپنے ماں باپ کو گالی دینا اور یہ گناہ کبیرہ کا درجہ ہے اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی تعلیم میں ماں باپ کے احترام کا کیا مقام ہے اور اس بارے

میں آدمی کو کتنا محتاط رہنا چاہیے۔

قطع رحمی جنت کے راستے میں رکاوٹ

۲۳۔ عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((لَايَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ)).

[بخاری: کتاب الأدب، باب إثم القاطع، رقم: ٥٩٨٤، ومسلم: کتاب البر والصلة والأداب، باب صلة الرحم وتحریم قطیعتها، رقم: ٤٦٣٦]

''حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قطع رحمی کرنے والا (یعنی رشتہ داری اور اہل قرابت کے ساتھ برا سلوک کرنے والا) جنت میں نہ جا سکے گا۔''

راوی الحدیث:

آپ کا اسم گرامی جبیر بن مطعم ہے اور کنیت ابو محمد یا ابو عدی ہے، قرشی اور نوفلی ہیں، سلسلہ نسب یوں ہے: جبیر بن مطعم بن عدی بن نوفل بن عبد مناف بن قصی۔

ان کے والد کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک احسان تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم طائف سے لوٹ کر آ رہے تھے تو انہوں نے رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پناہ دی تھی، جبیر مدینہ کے بعد فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور بعض لوگ کہتے ہیں فتح مکہ کے دن اسلام لائے، آپ کے سن وفات کے بارے میں اختلاف ہے، بعض لوگ کہتے ہیں ۵۷ھ میں ہوئی اور بعض لوگ ۸۰ھ اور بعض ۵۹ھ کہتے ہیں۔

تشریح:

اسی ایک حدیث سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں اور اللہ کے

نزدیک صلہ رحمی کی کتنی اہمیت ہے اور قطع رحمی کس درجہ کا گناہ ہے حدیث کا مطلب یہ ہے کہ قطع رحمی اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا سخت گناہ ہے کہ اس گناہ کی گندگی کے ساتھ کوئی جنت میں نہیں جاسکے گا یہاں تک کہ اس کو سزا دے کے پاک کردیا جائے گا یا کسی وجہ سے اس کو معاف کردیا جائے تو وہ جاسکے گا جب تک ان دونوں میں سے کوئی ایک بات نہ ہو جنت کا دروازہ اس کے لیے بند رہے گا۔

قطع رحمی کرنے والوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی

۲۴۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَيْسَ الْوَاصِلُ بِالْمُكَافِيءِ، وَلٰكِنَّ الْوَاصِلَ الَّذِىْ اِذَا قُطِعَتْ رَحِمُهٗ وَصَلَهَا)).

[بخاري: كتاب الأدب، باب ليس الواصل بالمكافي، رقم: ٥٩٩١]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ آدمی صلہ رحمی کا حق ادا نہیں کرتا جو بدلہ کے طور پر صلہ رحمی کرتا ہے۔ صلہ رحمی کا حق ادا کرنے والا دراصل وہ ہے جو اس حالت میں بھی صلہ رحمی کرے جب دوسرے اس کے ساتھ قطع رحمی کا معاملہ کریں۔''

تشریح:

خاندانی زندگی میں بکثرت ایسا پیش آتا ہے کہ ایک آدمی رشتہ داری اور قرابت کے حقوق ادا نہیں کرتا، اہل قرابت کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہدایت فرمائی ہے کہ ایسے آدمیوں کے ساتھ بھی صلہ رحمی کا معاملہ کیا جائے۔

ظاہر ہے کہ قطع رحمی اور حق تلفی کرنے والوں کے ساتھ جب جوابی طور پر قطع رحمی کا برتاؤ کیا جائے گا تو یہ بیماری اور گندگی معاشرے میں اور زیادہ بڑھے گی اور اس

کے برعکس جب ان کے ساتھ صلہ رحمی کا معاملہ کیا جائے گا تو انسانی فطرت سے امید ہے کہ دیر سویر ان کی اصلاح ہوگی اور معاشرے میں صلہ رحمی کو فروغ ہوگا۔

والدین کی خوشنودی

۲۵۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((رِضَى اللّٰهِ فِيْ رِضَى الْوَالِدِ، وَسَخَطُ الرَّبِّ فِيْ سَخَطِ الْوَالِدِ)).

[ترمذی: کتاب البر و الصلة، باب ما جاء من الفضل فی رضی الوالدین، رقم:۱۸۹۹]

''حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی والد کی رضامندی میں ہے اور اللہ کی ناراضگی والد کی ناراضگی میں ہے۔''

تشریح:

حدیث کا مطلب اور مدعا یہ ہے کہ جو اپنے مالک ومولا کو راضی کرنا چاہے وہ اپنے والد کو راضی اور خوش رکھے اللہ کی رضا حاصل ہونے کے لیے والد کی رضا جوئی شرط ہے اور والد کی ناراضگی کا لازمی نتیجہ اللہ کی ناراضگی ہے لہٰذا جو کوئی والد کو ناراض کرے گا وہ رضائے الٰہی کی دولت سے محروم رہے گا۔

اس حدیث میں والد کا لفظ آیا ہے جو عربی زبان میں باپ ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے، ماں کے لیے والدہ کا لفظ بولا جاتا ہے اس بنا پر اس حدیث میں ماں کا ذکر صراحتاً نہیں آیا ہے لیکن چونکہ دوسری احادیث میں ماں کا درجہ باپ سے بھی بلند اور بالاتر بتایا گیا ہے اس لیے ماں کی خوشی اور ناخوشی کی بھی وہی اہمیت ہوگی اور اس کا بھی وہی درجہ ہوگا جو اس حدیث میں باپ کی رضامندی اور ناراضگی کا بتایا گیا ہے۔

ناتا توڑنے والے اللہ کی رحمت سے محروم رہتے ہیں

۲۶۔ عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ اَبِیْ اَوْفٰی رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ:
((لَا تَنْزِلُ الرَّحْمَةُ عَلٰی قَوْمٍ فِیْهِمْ قَاطِعُ رَحِمٍ)).

[رواہ البیهقی فی شعب الایمان، رقم: ۷۷۲۹]

’’حضرت عبداللہ بن ابی اوفی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس قوم پر رحمت نازل نہیں ہوتی جس میں ناتا توڑنے والا ہو۔‘‘

راوی الحدیث:

حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ کے باپ کا نام علقمہ بن قیس ہے، حضرت عبداللہ کی کنیت ابو عبداللہ ہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن ابی اوفیٰ رضی اللہ عنہ ان اصحابِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں سے ہیں جنہوں نے بیعتِ رضوان کی تھی۔

محمد بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک مدینہ منورہ ہی میں قیام پذیر رہے، پھر بعد میں کوفے چلے گئے، ۸۷ھ میں کوفہ ہی میں وفات پائی۔

قتادہ وحسن رحمہما اللہ بیان کرتے ہیں کہ یہ کوفے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری صحابی ہیں جنہوں نے وہاں وفات پائی۔

تشریح:

’’قوم‘‘ سے مراد پوری قوم نہیں ہے بلکہ محض وہ لوگ مراد ہیں جو ناتا توڑنے والے کی مدد وحمایت کریں یا اس کو اپنے ناتے داروں کے ساتھ بدسلوکی کے ذریعہ ناتا توڑنے سے منع نہ کریں۔

یہ بھی احتمال ہے کہ ’’رحمت‘‘ سے بارانِ رحمت مراد ہو، یعنی جس قوم یا جس آبادی

کے اندر ناتا توڑنے والا کوئی شخص ہوتا ہے تو ناتا توڑے جانے کی وجہ سے اس قوم یا آبادی کو بارش سے محروم رکھا جاتا ہے۔

دوسروں پر رحم کرنے والے ہی اللہ کی رحمت کے مستحق ہیں

۲۷۔ عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِاللّٰهِ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((لَايَرْحَمُ اللّٰهُ مَنْ لَّايَرْحَمُ النَّاسَ)).

[بخاری: کتاب التوحید، باب قول اللّٰه تبارك وتعالیٰ: ﴿قل ادعوا اللّٰه﴾، رقم: ۷۳۷۶، ومسلم کتاب الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبیان والعیال، رقم: ٤٢٨٣]

''حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی خاص رحمت سے محروم رہیں گے جن کے دلوں میں دوسرے لوگوں کے لیے رحم نہیں۔''

راوی الحدیث:

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کا تعلق قبیلہ انمار سے ہے، والد کا نام عبداللہ اور والدہ کا نام بجلیہ ہے، والدہ کی نسبت ہی سے بجلی کہلاتے ہیں۔ ۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوئے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ اگرچہ بہت تاخیر سے اسلام لائے لیکن ان کا شمار اعیان صحابہ رضی اللہ عنہم میں ہوتا ہے۔ یہ اپنی قوم کے سردار تھے ان کے ایمان لانے کے واقعہ سے بھی ان کی عظمت اور جلالت کا پتہ چلتا ہے جس وقت مسجد نبوی میں حاضر ہوئے تو اس وقت رسول اللہ ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے تھے اور مسجد بھری ہوئی تھی ان کو بیٹھنے کے لیے

جگہ نہیں ملی ، رسول اللہ ﷺ نے ان کے لیے اپنی چادر مبارک جس کو آپ ﷺ زیب تن فرمائے ہوئے تھے، بچھا دی اور فرمایا: ''اس پر بیٹھو'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے اس غیر معمولی اکرام کے متعلق آپ ﷺ سے سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: إذا أتاكم كريم قوم فاكرموه. یعنی کسی قوم کا سردار اگر تمہارے پاس آئے تو اس کا اکرام کرنا چاہیے۔

حضرت جریر رضی اللہ عنہ کو اہل مدینہ خصوصًا انصاری صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بڑی محبت تھی، حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے انصار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا جو طرزِ عمل رسول اللہ ﷺ کے ساتھ دیکھا ہے اس کے بعد سے میں نے قسم کھا لی ہے کہ جب بھی مجھے کسی انصاری صحابی کی صحبت کا موقع نصیب ہوگا میں ان کی خدمت ضرور کروں گا۔

باطنی کمالات کے ساتھ ساتھ اللہ نے حسن ظاہری سے بھی نوازا تھا۔ وہ انتہائی حسین وجمیل تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ان کو يوسف هذه الأمة کہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ اس امت میں حضرت یوسف علیہ السلام کی طرح حسین وجمیل ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی خلافت کے زمانہ میں ان کو عراق کی جنگوں میں شرکت کے لیے بھیجا، انہوں نے ان جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے، فتح قادسیہ میں بھی ان کو بڑا دخل تھا، ان جنگوں سے فارغ ہو کر وہ کوفہ میں ہی قیام پذیر ہوئے۔ ۵۱ھ ۵۴ھ کو وہیں ان کی وفات ہوئی ہے۔

تشریح:

رحمت دراصل اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے اور رحمٰن اور رحیم اس کے خاص نام ہیں۔
اور جن بندوں میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا جتنا اثر ہے وہ اتنے ہی مبارک اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کے اتنے ہی مستحق ہیں اور جو جس قدر بے رحم ہیں وہ اللہ کی رحمت سے اسی قدر محروم

رہنے والے ہیں۔

اس حدیث میں ''الناس'' کا لفظ عام ہے جو مومن وکافر اور متقی وفاجر سب کو شامل ہے، اور بلاشبہ رحم کے سب مستحق ہیں البتہ کافر اور فاجر کے ساتھ سچی رحمدلی کا سب سے بڑا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ اس کے کفر اور فجور کے انجام کا ہمارے دل میں درد ہو۔ اور ہم اس سے اس کو بچانے کی کوشش کریں، اس کے علاوہ اگر وہ کسی دنیوی اور جسمانی تکلیف میں ہو تو اس سے اس کو بچانے کی فکر کرنا بھی رحمدلی کا یقیناً تقاضا ہے اور ہم کو اس کا بھی حکم ہے۔

ماں کی خدمت بڑے سے بڑے گناہ کی معافی کا ذریعہ

۲۸۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما أَنَّ رَجُلًا أَتَى النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! إِنِّي أَصَبْتُ ذَنْبًا عَظِيمًا ، فَهَلْ لِي تَوْبَةٌ؟ قَالَ :((هَلْ لَكَ مِنْ أُمٍّ؟)) قَالَ: لَا. قَالَ: ((هَلْ لَكَ مِنْ خَالَةٍ؟)) قَالَ: نَعَمْ قَالَ: ((فَبِرَّهَا)).

[ترمذی: كتاب البر والصلة، باب ما جاء فی برالخالة، رقم: ۱۸۲۷]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ: میں نے ایک بہت بڑا گناہ کیا ہے تو کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تیری ماں ہے؟ اس نے کہا نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: تو کیا تمہاری کوئی خالہ ہے؟ اس نے عرض کیا کہ: ہاں خالہ موجود ہے آپ ﷺ نے فرمایا: تو اس کی خدمت اور اس کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔''

تشریح:

توبہ کیا ہے؟ گناہ پر دل سے نادم و پشیمان ہو کر اللہ سے معافی مانگنا، تاکہ اللہ کے

غضب اور اس عذاب سے بچ جائے جس کا وہ گناہ کی وجہ سے مستحق ہو چکا ہے اور توبہ کی قبولیت یہ ہے کہ اللہ پاک اس کو معاف فرما دے اور اس سے راضی ہو جائے۔ یوں تو سارے ہی اعمال صالحہ میں یہ خاصیت ہے کہ وہ گناہوں کے گندے اثرات کو مٹاتے ہیں اور اللہ کی رضاورحمت کو کھینچتے ہیں ﴿إِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (ھود:۱۱۴) یعنی نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔ لیکن بعض اعمال صالحہ اس بارے میں غیر معمولی امتیازی شان رکھتے ہیں۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ماں باپ کی خدمت اور اسی طرح خالہ اور نانی کی خدمت بھی انہیں اعمال میں سے ہے جن کی برکت سے اللہ تعالیٰ بڑے بڑے گناہگاروں اور سیاہکاروں کی توبہ قبول فرمالیتا ہے اور ان سے راضی ہو جاتا ہے۔

بچیوں کی پرورش کی فضیلت

۲۹۔ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا جَآءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَأَنَا وَهُوَ هٰكَذَا)) وَضَمَّ أَصَابِعَهُ.

[مسلم: كتاب البر، باب فضل الإحسان إلى البنات، رقم: ٤٧٦٥]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا'' جو شخص دو بیٹیوں کی پرورش اور دیکھ بھال کرے یہاں تک کہ وہ بلوغت کی حد تک پہنچ جائیں تو وہ شخص قیامت کے روز اس طرح آئے گا کہ میں اور وہ اس طرح ایک دوسرے کے قریب ہوں گے۔ یہ کہہ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی انگلیوں کو ملا کر دکھایا۔''

تشریح:

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اور اس شخص کے درمیان کمال قربت اور اتصال کو ظاہر کرنے

کے لیے انگشت شہادت اور درمیانی انگلی کو ملا کر دکھایا کہ جس طرح تم ان دونوں انگلیوں کو ایک دوسرے سے ملی ہوئی دیکھ رہے ہو اسی طرح قیامت کے دن میں اور وہ شخص ایک دوسرے کے قریب ہوں گے اور محشر میں ہم دونوں ایک جگہ اور ایک ساتھ ہوں گے یا وہ میرے ساتھ جنت میں داخل ہوگا۔

تمام مسلمان ایک جسم کی مانند ہیں

۲۰۔ عَنْ نُعْمَانَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((اَلْمُؤْمِنُوْنَ کَرَجُلٍ وَاحِدٍ، اِنِ اشْتَکٰی عَیْنُہُ اشْتَکٰی کُلُّہُ، وَاِنِ اشْتَکٰی رَأْسُہُ اشْتَکٰی کُلُّہُ)).

[مسلم: کتاب البر، باب تراحم المؤمنین و تعاطفھم، رقم: ٤٦٨٦]

''حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سارے مسلمان ایک شخص کی مانند ہیں کہ اگر اس کی آنکھ دکھتی ہے تو اس کا سارا جسم بے چین و مضطرب ہو جاتا ہے اور اس کا سر دکھتا ہے تو پورا بدن تکلیف محسوس کرتا ہے۔''

راوی الحدیث:

حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما بنی حارث بن خزرج میں سے ہیں، ان کی کنیت ابو عبداللہ ہے، انصاری صحابی ہیں، ہجرت کے بعد انصار میں سب سے پہلے بچے پیدا ہوئے، نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر ۸ سال ۷ ماہ کی تھی، ان کے والد بھی صحابی ہیں۔

کوفہ میں قیام فرمایا، امیر معاویہ کی طرف سے کوفہ کے حاکم تھے، جب یزید بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ فوت ہو گئے تو ابن زبیر رضی اللہ عنہما نے نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہما کو بلایا اور حمص کا گورنر مقرر کر دیا، مروان بن الحکم کے زمانہ خلافت میں اہل حمص نے ۶۴ھ میں ان کو شہید کر دیا۔

تشریح:

اس ارشاد کے ذریعہ رسول اللہ ﷺ نے مومن کی صفت اتحاد ویگانگت کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اگر کوئی جذبہ وتعلق ایسا ہوسکتا ہے جو دنیا کے تمام انسانوں کو رنگ ونسل کے بھید بھاؤ زبان وکلچر کے اختلاف وتفاوت اورذات وقبائل اور علاقہ کی تفرقہ بازی سے نجات دلا کر ایک انسانی برادری اوراتحادویگانگت کی ایک لڑی میں پروسکتا ہے تو وہ صرف ایمان واسلام کا تعلق ہے، چنانچہ اہل ایمان جہاں بھی ہوں جس رنگ ونسل سے بھی تعلق رکھتے ہوں اوران کی زبان ومعاشرت میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہولیکن مسلمان اورمومن ہونے کی حیثیت سے وہ ایک ہیں اورایک ہی برادری سے تعلق رکھتے ہیں ،ان کے درمیان کوئی انسانی اونچ نیچ نہیں ہے ،کوئی بھید بھاؤ نہیں ہے اورکسی برتری وکمتری کی نفرت وحقارت نہیں ہے وہ جس عقیدے کے حامل اورجس نظریہ حیات کو ماننے والے ہیں وہ اس کی روشنی میں اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ تمام انسان ایک باپ کی اولاد ہیں اور تمام مسلمان ایک زنجیر کی کڑیاں ہیں اگر وہ کڑیاں الگ الگ ہو جائیں تو زنجیر ٹوٹ کر رہ جائے گی اسی طرح اگر مسلمان تفرقہ بازی کا شکار ہوجائیں اوررنگ ونسل ، زبان وکلچر اورذات پات کے دائروں میں سمٹ جائیں تو ان کے ملّی وجود اوران کی اجتماعی طاقت کوانتشار واضمحلال کاگھن لگ جائے گااور جب ان کی اجتماعی حیثیت مجروح ہوکر غیر مؤثر ہو گی تو ان کا شخصی وانفرادی وجود بھی نہ صرف بے معنی ہو جائے گا بلکہ ہر شخص مختلف آفات ومصائب کا شکار ہوگا ۔ اورچونکہ ملّی وجود اوراجتماعی طاقت کا سرچشمہ افراد کا آپس میں محبت وموانست کا جذبہ اورباہمی روابط وتعلق ہے اس لیے ہر مسلمان اپنے دوسرے مسلمان بھائی سے اس طرح ربط وتعلق رکھتا ہے جس طرح دوحقیقی بھائی ہوتے ہیں کہ آپس میں سلام ودعا کرتے ہیں باہمی میل جول اور ملاقات کرتے ہیں ایک دوسرے کے دکھ درد میں شریک

ہوتے ہیں۔ باہمی معاملات وتعلقات کو محبت وموانست اور رحم دلی کی بنیاد پر استوار کرتے ہیں تحفے تحائف کا تبادلہ کرتے ہیں ایک دوسرے کی مدد واعانت کرتے رہتے ہیں۔ اور ہر مسلمان دوسرے مسلمان کے حالات کی رعایت اور اس کے طور طریقوں کی پاسداری کرتا ہے چنانچہ جب شخصی اور انفرادی سطح پر یہ ربط وتعلق ایک دوسرے کو جوڑنے کا ذریعہ بن جاتا ہے تو سارے مسلمان ایک مضبوط اجتماعی حیثیت اور عظیم طاقت بن جاتے ہیں۔

اس حقیقت کو اس ارشاد گرامی میں ظاہر کیا گیا ہے اور تمام مسلمانوں کو ایک بدن کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے کہ جس طرح بدن کا کوئی ایک عضو دکھتا ہو تو سارا بدن اس دکھ سے متاثر ہوتا ہے اور محض ایک عضو میں تکلیف ہونے سے پورا جسم تکلیف میں مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ ایک تن بن جائیں اور پوری ملت اسلامیہ ایک جسم کی مانند ہو جائے کہ اگر کسی ایک مسلمان کو کوئی گزند پہنچے یا وہ کسی آفت ومصیبت میں گرفتار ہو تو سارے مسلمان اس کے دکھ ورنج میں شریک ہوں اور سب مل کر اس کی تکلیف ومصیبت کو دور کرنے کی تدبیر کریں۔

مسلمان ظالم ومظلوم کی مدد کرو

۳۱۔ عَنْ أَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُوْمًا)). فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! أَنْصُرُهُ إِذَا كَانَ مَظْلُوْمًا أَفَرَأَيْتَ إِذَا كَانَ ظَالِمًا ، فَكَيْفَ أَنْصُرُهُ ظَالِمًا؟ قَالَ: ((تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ ، فَذٰلِكَ نَصْرُكَ إِيَّاهُ)).

[بخاري: كتاب الإكراه، باب يمين الرجل لصاحبه، رقم:٦٩٥٢، ومسلم: كتاب البر، باب نصر الأخ، رقم: ٦٥٨١]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اپنے مسلمان بھائی کی مدد کرو خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔'' ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! جو مسلمان مظلوم ہے اس کی مدد تو مجھے کرنی چاہیے۔ لیکن میں اس مسلمان کی کس طرح مدد کر سکتا ہوں جو ظلم کر رہا ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس کو ظلم سے روکو اور یہی یعنی اس کو ظلم سے روکنا اس کے حق میں تمہاری مدد ہے۔''

تشریح:

نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں جو ارشاد فرمایا کہ **اُنْصُرْ أَخَاكَ ظَالِمًا أَوْ مَظْلُوْمًا** ''تم لازم اپنے بھائی کی مدد کرو خواہ ظالم ہو یا مظلوم''۔

یہ ارشاد اصل میں زمانہ جہالت میں عرب کا ایک مشہور مقولہ تھا جس کی بنا پر وہ لڑائی جھگڑوں کے دوران اپنے بھائیوں، عزیز واقارب یا قبیلہ والوں کا ساتھ دیا کرتے تھے اس سے قطع نظر کہ ان کا بھائی عزیز یا قبیلہ والا حق پر ہے یا ظلم کر رہا ہے۔ لڑائی جھگڑوں کے دوران وہ اپنی عزت وغیرت اسی بات میں سمجھتے تھے کہ اپنے بھائی کی مدد کریں اور مدمقابل کو منہ توڑ جواب دیں وہ کبھی اس بات کو جاننے کی کوشش نہیں کرتے تھے کہ آخر غلطی کس کی ہے؟ حق پر کون ہے اور ظالم کون ہے؟ چنانچہ جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی یہی ارشاد فرمایا: تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تجسس پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت میں اس قول کا مطلب تو ہم سمجھتے تھے اور اس پر عمل بھی کرتے تھے لیکن اب اسلام کے دائرہ میں آنے کے بعد اس قول پر عمل کیسے کیا جائے گا کیونکہ اسلام نے اپنے تمام ماننے والوں کو بھائی بھائی بنا دیا ہے اب ایک بھائی کے خلاف دوسرے بھائی کی مدد کیسے کی جائے۔ اس پر نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت فرمائی کہ ((تَمْنَعُهُ مِنَ الظُّلْمِ)). ''تم اس کو ظلم کرنے سے روکو۔'' جس طرح

مظلوم کا تم پر حق ہے کہ اس کے ساتھ ہونے والے ظلم و جبر کو روکا جائے اور اس کو انصاف فراہم کیا جائے اسی طرح ظالم کا بھی تم پر حق ہے کہ تم اس کو ظلم و زیادتی سے روکو کیونکہ دراصل وہ شیطانی وسوسوں کے جال میں پھنس کر یہ سب کچھ کر رہا ہے اور شیطان اس کو ان ظلم و زیادتیوں کے ذریعے جہنم پہنچانے کی کوشش کر رہا ہے۔ اس بنا پر یہ ظالم مظلوم کے مقابلے میں تمہاری مدد کا زیادہ مستحق وحقدار ہے کیونکہ مظلوم کو اگر دنیا میں انصاف نہ بھی ملے تو کل قیامت کے دن اللہ اس کے ساتھ ہونے والے تمام ظلموں کا حساب کرے گا اور وہاں اس کو ان ظلم و زیادتیوں کا بدلہ دے کر راضی کر دے گا لیکن یہ بیچارہ جو شیطان کے پنجے میں پھنس کر ظلم وزیادتی میں لگا ہوا ہے اس کا قیامت کے دن اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے بچنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ شیطانی وسوسوں میں پھنس کر اس کا ایمان کمزور ہو چکا ہے تم اس کو اللہ کی پکڑ سے، آخرت کے عذاب سے ڈراؤ اور شیطانی وسوسوں کی حقیقت سے اس کو آگاہ کرو تا کہ اس کا ایمان مضبوط ہو اور وہ اپنے آپ کو شیطانی وسوسوں کے جال سے باہر نکال سکے اور ہر طرح کے ظلم وزیادتی سے بچتے ہوئے آخرت میں اللہ کے غضب اور اس کے عذاب سے بھی بچ سکے یہ اس کے حق میں تمہاری طرف سے بہت بڑی مدد ہوگی۔

مسلمان کی خیر خواہی اور حاجت روائی کرنا

۳۲۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ قَالَ: ((اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ، لَا يَظْلِمُهُ، وَلَا يُسْلِمُهُ، وَمَنْ كَانَ فِيْ حَاجَةِ أَخِيْهِ كَانَ اللّٰهُ فِيْ حَاجَتِهِ، وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللّٰهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِّنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)).

[بخاري: كتاب المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم، رقم:٢٤٤٢، ومسلم: كتاب البر، باب تحريم الظلم، رقم: ٤٦٧٧]

''حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے نہ تو خود اس پر ظلم وزیادتی کرتا ہے نہ دوسروں کا مظلوم بننے کے لیے اس کو بے یارومددگار چھوڑ دیتا ہے، اور جو کوئی اپنے بھائی کی حاجت پوری کرے گا اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرے گا اور جو کسی مسلمان کی تکلیف اور مصیبت کو دور کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن کی مصیبتوں میں سے اس کی کسی مصیبت کو دور کرے گا اور جو کسی مسلمان کی پردہ داری کرے گا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی پردہ داری کرے گا۔''

تشریح:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں تمام کمزور طبقوں اور ہر طرح کے حاجت مندوں، یتیموں، بیواؤں، غریبوں، مسکینوں، مظلوموں، آفت زدہ اور بیماروں وغیرہ کا بھی حق مقرر کیا گیا ہے، اور آپ نے اپنے پیروکاروں کو ان کی خدمت وخبر گیری اور ہمدردی ومعاونت کی تلقین وتاکید فرمائی ہے اور اس کو اعلیٰ درجہ کی نیکی قرار دے کر اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے بڑے بڑے انعامات کی بشارت سنائی ہے۔

ہمسایہ کو تنگ نہ کرو

۳۲۔ عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ، وَاللّٰهِ لَا يُؤْمِنُ)). قِيْلَ: مَنْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ: ((اَلَّذِیْ لَا يَأْمَنُ

جَارُهُ بَوَائِقَهُ)).

[بخاري: كتاب الأدب، باب إثم من لا يأمن جاره، رقم:٦٠١٦]

''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: اللہ کی قسم! وہ شخص مومن نہیں، اللہ کی قسم! اس میں ایمان نہیں، اللہ کی قسم! وہ صاحب ایمان نہیں، عرض کیا گیا کہ یارسول اللہ! کون شخص؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا'' وہ آدمی جس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور تکلیفوں سے مامون اور بے خوف نہ ہوں۔''

تشریح:

انسان کا اپنے ماں باپ، اپنی اولاد اور قریبی رشتہ داروں کے علاوہ ایک مستقل واسطہ اور تعلق ہمسایوں اور پڑوسیوں سے بھی ہوتا ہے اور اس کی خوشگواری اور ناخوشگواری کا زندگی کے چین وسکون پر اور اخلاق کے بناؤ بگاڑ پر بہت زیادہ اثر پڑتا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی تعلیم وہدایت میں ہمسائیگی اور پڑوس کے اس تعلق کو بڑی عظمت بخشی ہے اور اس کے احترام ورعایت کی بڑی تاکید فرمائی ہے یہاں تک کہ اس کو جزو ایمان اور داخلہ جنت کی شرط اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کا معیار قرار دیا ہے۔

حدیث کے الفاظ پر غور کر کے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد کیسے جلال سے معمور ہے اور جس وقت آپ نے یہ ارشاد فرمایا ہوگا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کا انداز کیا رہا ہوگا۔ بہرحال اس پُر جلال ارشاد کا مدعا اور پیغام یہی ہے کہ ایمان والوں کے لیے لازم ہے کہ پڑوسیوں کے ساتھ ان کا برتاؤ اور رویہ ایسا شریفانہ رہے کہ وہ ان کی طرف سے بالکل مطمئن اور بے خوف رہیں، ان کے دل دماغ میں بھی ان کے بارے میں کوئی اندیشہ اور خطرہ نہ ہو۔ اگر کسی مسلمان کا یہ حال

نہیں اوراس کے پڑوسی اس سے مطمئن نہیں ہیں تو رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ اسے ایمان کا مقام نصیب نہیں ہے۔

پڑوسی کو تکلیف دینے والا جنت نہ جائے گا

۳۴۔ عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ: ((لَا یَدْخُلُ الْجَنَّۃَ مَنْ لَا یَأْمَنُ جَارُہٗ بَوَائِقَہٗ)).

[مسلم: کتاب الإیمان، باب بیان تحریم إیذاء الجار، رقم: ٦٦]

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ آدمی جنت میں داخل نہ ہو سکے گا جس کی شرارتوں اور ایذا رسانیوں سے اس کے پڑوسی مامون نہ ہوں۔''

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ جس آدمی کا کردار اور رویہ ایسا ہو کہ اس کے پڑوسی اس کی شرارتوں اور بداطواریوں سے خائف رہتے ہیں تو وہ اپنی اس بدکرداری کی وجہ سے اوراس کی سزا پائے بغیر جنت میں نہ جا سکے گا۔

پڑوسی کے بارے میں جبرائیل کی مسلسل وصیت اور تاکید

۳۵۔ عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللہ عنہا وَابْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما عَنِ النَّبِیِّ ﷺ قَالَ: ((مَا زَالَ جِبْرِیْلُ یُوْصِیْنِیْ بِالْجَارِ، حَتّٰی ظَنَنْتُ اَنَّہٗ سَیُوَرِّثُہٗ)).

[بخاری: کتاب الأدب، باب الوصاۃ بالجار، رقم: ٥٥٥٦]

''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا کہ جبرائیل پڑوسی کے حق کے بارے میں مجھے برابر وصیت اور تاکید کرتے رہے یہاں تک کہ میں خیال کرنے لگا گویا کہ وہ اس کو وارث قرار دے دیں گے۔''

راوی الحدیث:

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بعثت کے چوتھے سال پیدا ہوئیں، آپ ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صاحبزادی ہیں جو اول المؤمنین ہیں اور آپ کی والدہ ماجدہ ام رومان بھی اولین مؤمنات میں سے ہیں۔

جب ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خصوصی درجہ کا ایمانی تعلق رکھنے والی خاتون خولہ بنت حکیم نے آپ سے نکاح کے بارے میں گفتگو کی اور اس موقع پر انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بھی عرض کیا تھا، جن کی عمر اس وقت صرف چھ، سات سال کے قریب تھی، اور بخاری ومسلم وترمذی کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ خواب میں بھی متعدد بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی صورت دکھلائی گئی اور بتلایا گیا کہ یہ دنیا وآخرت میں آپ کی زوجہ ہونے والی ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خولہ رضی اللہ عنہا ہی کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والدین کی طرف پیغام پہنچانے پر مامور فرمایا اور شوال کے مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے ہوا، جس کے بعد تقریباً تین سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ مکرمہ ہی میں رہا۔ بعثت کے ۱۳ سال پورے ہو جانے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بحکمِ الٰہی مکہ مکرمہ سے ہجرت فرمائی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا جن کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نکاح تین سال پہلے مکہ مکرمہ ہی میں ہو چکا تھا، اب تقریباً ۹، ۱۰ سال کی ہو گئیں تھیں، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ان کی غیر معمولی صلاحیت کا پورا اندازہ تھا اور جانتے تھے کہ تعلیم وتربیت اور سیرت سازی کا بہترین اور سب

سے زیادہ مؤثر ذریعہ صحبت ہے اس لیے انہوں نے خود ہی نبی مکرم ﷺ سے عرض کیا کہ اگر آپ ﷺ کے نزدیک نامناسب نہ ہو تو یہ بہتر ہوگا کہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ ﷺ کی اہلیہ اور شریک حیات کی حیثیت سے آپ کے ساتھ رہیں، آپ ﷺ نے ان کو منظور فرمالیا۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں صرف انہیں کو یہ شرف حاصل ہے کہ وہ صغر سنی یعنی ۹، ۱۰ سال کی عمر سے رسول اللہ ﷺ کی صحبت ورفاقت اور تعلیم وتربیت سے مستفید ہوتی رہیں۔ اسی طرح چند اور سعادتیں بھی تنہا انہیں کے حصے میں آئیں، جن کا وہ خود اللہ تعالیٰ کے شکر کے ساتھ ذکر فرمایا کرتی تھیں، فرماتی ہیں کہ تنہا مجھے ہی یہ شرف نصیب ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے عقد نکاح میں آنے سے پہلے سے ہی آپ ﷺ کو خواب میں میری صورت دکھلائی گئی اور آپ ﷺ کی ازواج رضی اللہ عنہن میں سے تنہا میں ہی ہوں جس کا آپ ﷺ کی زوجیت میں آنے سے پہلے کسی دوسرے کے ساتھ یہ تعلق اور رشتہ نہیں ہوا، اور تنہا مجھی پر اللہ تعالیٰ کا یہ کرم تھا کہ آپ ﷺ جب میرے ساتھ ایک لحاف میں آرام فرما ہوتے تو آپ ﷺ پر وحی آتی، اور یہ کہ میں آپ ﷺ کی ازواج رضی اللہ عنہن میں سے آپ کو سب سے زیادہ محبوب تھی اور اس باپ کی بیٹی ہوں جو نبی مکرم ﷺ کو سب سے زیادہ محبوب تھے، اور یہ کہ بعض منافقین کی سازش کے نتیجے میں جب مجھ پر ایک غلط تہمت لگائی گئی تو اللہ تعالیٰ نے میری براءت کے لیے قرآنی آیات نازل فرمائیں جن کی قیامت تک اہل ایمان تلاوت کرتے رہیں گے اور ان آیات میں مجھے پاک نبی ﷺ کی پاک بیوی فرمایا گیا، نیز اس سلسلے کی آخری آیت میں ﴿أُولَٰئِكَ لَهُمْ مَغْفِرَةٌ وَرِزْقٌ كَرِيمٌ﴾ فرما کر میرے لیے مغفرت اور رزقِ کریم کا وعدہ فرمایا گیا ہے۔

اور یہ بھی صدیقہ کائنات رضی اللہ عنہا کے لیے خوش نصیبی کی بات تھی کہ آپ ﷺ نے زندگی کا آخری پورا ایک ہفتہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے گھر میں قیام فرمایا اور آخری لحات میں بھی

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سینے سے لگائے بیٹھی تھیں اور جس وقت بحکم الٰہی روح مبارک نے جسد اطہر سے مفارقت اختیار کی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس وقت بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ہی تھیں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کا گھر قیامت تک کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آرام گاہ بنا یعنی اسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تدفین ہوئی۔

جب نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس وقت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۸ سال تھی۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بڑی فقیہ، عاملہ، فاضلہ، فصیحہ اور کثیر الروایت تھیں، ایام عرب کے حالات کی واقفہ اور اشعار جاہلیت کی حافظہ تھیں۔

مدینہ منورہ میں ۵۸ھ یا ۵۷ھ میں ۱۷ رمضان المبارک کو وفات پائی، آپ رضی اللہ عنہا کا ارشاد تھا کہ مجھے رات کو دفن کیا جائے، چنانچہ آپ کے ارشاد کی تعمیل کرتے ہوئے آپ رضی اللہ عنہا کی تدفین رات کو ہی کی گئی، نمازِ جنازہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے پڑھائی۔

تشریح:

مطلب یہ ہے کہ پڑوسی کے حق اور اس کے ساتھ اکرام ورعایت کا رویہ رکھنے کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضرت جبرئیل علیہ السلام ایسے تاکیدی احکام لاتے رہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے خیال ہوا کہ شاید اس کو وارث بنا دیا جائے گا یعنی حکم آجائے گا کہ کسی کے انتقال کے بعد جس طرح اس کے ماں باپ، اس کی اولاد اور دوسرے اقارب اس کے ترکہ کے وارث ہوتے ہیں اسی طرح پڑوسی کا بھی اس میں حصہ ہوگا۔ ظاہر ہے کہ اس ارشاد کا مقصد صرف ایک واقعہ کا بیان نہیں ہے بلکہ پڑوسیوں کے حق کی اہمیت کے اظہار کے لیے یہ ایک نہایت مؤثر اور بلیغ ترین عنوان ہے۔

ان احادیث سے سمجھا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم وہدایت میں ہمسائیوں کے ساتھ حسن سلوک کا کیا درجہ اور مقام ہے نبوت کی زبان میں کسی عمل کی سخت تاکید

اور دین میں اس کی انتہائی اہمیت جتلانے کے لیے آخری تعبیر یہی ہوتی ہے کہ اس میں کوتاہی کرنے والا مومن نہیں یا یہ کہ وہ جنت میں نہ جا سکے گا افسوس ہے کہ اس طرح کی حدیثیں ہمارے علمی اور درسی حلقوں میں اب صرف کلامی بحثوں اور علمی موشگافیوں کا موضوع بن کر رہ گئی ہیں ۔ شاذ و نادر ہی اللہ کے وہ خوش نصیب بندے ہوں گے جو یہ حدیثیں پڑھ کر اور سن کر زندگی کے اس شعبہ کو درست کرنے کی فکر میں لگ جائیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ کے ان ارشادات کا مقصد و مدعا یہی ہے ۔ یہ حدیثیں پڑھنے اور سننے کے بعد بھی اپنے پڑوسیوں کے ساتھ برتاؤ اور رویہ کو بہتر اور خوشگوار بنانے کی فکر نہ کرنا بلاشبہ بڑی شقاوت اور بدبختی کی نشانی ہے۔

دین الٰہی خیرخواہی کا نام ہے

۳۶ ـ عَنْ تَمِيمٍ الدَّارِيِّ رضي الله عنه اَنَّ النَّبِيَّ ﷺ قَالَ: ((اَلدِّيْنُ النَّصِيْحَةُ)) ثَلَاثًا. قُلْنَا: لِمَنْ؟ قَالَ: ((لِلّٰهِ، وَلِكِتَابِهِ، وَلِرَسُوْلِهِ، وَلِأَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ، وَعَامَّتِهِمْ)).

[مسلم: كتاب الإيمان، باب بيان أن الدين النصيحة، رقم: ۸۲]

''حضرت ابو رقیہ تمیم بن اوس الداری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: دین خیر خواہی کا نام ہے ۔ ہم نے عرض کیا کس کے لیے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ کے لیے، اس کی کتاب کے لیے، اس کے رسول ﷺ کے لیے، ائمہ مسلمین کے لیے اور عوام الناس کے لیے۔''

راوی الحدیث:

آپ کا اسم گرامی تمیم اور والد کا اوس الدارمی ہے، پہلے عیسائی تھے، ۹ھ میں مشرف باسلام ہوئے ، ان کی کنیت ابو رقیہ ہے، ان کا سلسلہ نسب تمیم بن اوس بن حارثہ بن سود بن

جذ بن ذراع بن عدی ہے۔

یہ سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے مسجد میں چراغ روشن کیا تھا، پہلے تو مدینہ میں رہتے تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد شام چلے گئے اور اپنی موت تک وہیں رہے۔

تشریح:

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ دین ایک نصیحت ہے۔ لفظ نصیحت عربی زبان میں بہت جامع ہے۔ ابن دقیق رحمۃ اللہ علیہ کا خیال ہے کہ کلام عرب میں نصیحت سے زیادہ جامع لفظ کوئی نہیں، جو اس کے مفہوم کو واضح کر سکے۔ علامہ خطابی رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے معانی یوں بیان کیے ہیں:

((النصيحة كلمة جامعة معناها حيادة الحظ للمنصوح له))

نصیحت ایسا جامع کلمہ ہے جس کا معنی یہ ہے کہ حقدار کے حق کی حفاظت کرنا۔

اردو زبان میں اگر نصیحت کا صحیح ترجمہ تقریباً ناممکن ہے مگر ایک کلمہ جس سے ہم اس کا مفہوم سمجھتے ہیں وہ کلمہ ''خیر خواہی'' ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلی بات جو فرمائی کہ دین خیر خواہی کا نام ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ قرآن وسنت ہر ایک کی خیر خواہی کا خیال رکھتے ہیں اور ہر ایک کی خیر خواہی کا تقاضا کرتے ہیں۔ اس لیے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ یہ دین اللہ کے لیے خیر خواہی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر ہم اللہ کو وحدہ لا شریک تسلیم کریں اور اوامر ونواہی پر کاربند رہیں تو اللہ اپنے بندوں کو عذاب سے دوچار نہیں کرے گا۔ بلکہ ان کو اپنے خاص فضل وکرم سے نوازے گا اور اگر ہم اس کی نافرمانی پر اتر آئے تو یہ اللہ کی خیر خواہی نہیں ہوگی اور بندے اپنی بداعمالیوں کی بنیاد پر عذاب کے مستحق بن جائیں تو اللہ کا اس میں کوئی قصور نہ ہوگا۔

دوسری بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی: یہ دین اللہ کی کتاب کے لیے خیر خواہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ یہ قرآن ہمارے لیے باعث ہدایت، باعث رحمت، باعث برکت اور باعث شفاء ہے۔

﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْآنِ مَا هُوَ شِفَاءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾. (بنی اسرائیل:۸۲)

''اور ہم ایسا قرآن اتارتے ہیں جو مؤمنین کے لیے باعث شفاء اور باعث رحمت ہے۔''

اگر ہم اس کے احکامات پر عمل کریں تو ہماری گمراہی اور بدانجامی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ قرآن ہمیں زندگی میں راہ نمائی دیتا ہے۔ اگر ہم اس کے مطابق عمل کرتے رہیں تو یہ قرآن اس دنیا میں بھی باعث خیر خواہی اور آخرت میں بھی باعث خیر خواہی ثابت ہوگا۔

تیسری بات جو رسول اللہ ﷺ نے اس حدیث میں فرمائی وہ یہ کہ دین رسول اللہ ﷺ کے لیے خیر خواہی ہے اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کی، آپ کے احکامات کو تسلیم کیا اور جس شے سے آپ نے منع فرمایا اس کو نہیں کیا تو رسول اللہ ﷺ روز قیامت اس کی سفارش فرمائیں گے اور وہ شخص دنیا و آخرت میں کامیاب ہوگا۔ مگر جس نے رسول اللہ ﷺ کے احکامات کو پس پشت ڈال دیا اور نافرمانی پر اتر آیا تو وہ رسول اللہ ﷺ کی شفاعت سے محروم رہے گا۔

چوتھی بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی کہ دین مسلمانوں کے حکمرانوں کے لیے خیر خواہی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان حکمران اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے کام کریں اور لوگوں کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم دیں۔ دین و شریعت کو نافذ کریں، مسلمانوں کے حقوق کا پاس اور لحاظ کریں۔

تین آدمیوں کی عزت کرنے کا ذکر

۳۷ ۔ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((اِنَّ مِنْ اِجْلَالِ اللّٰهِ اِكْرَامُ ذِی الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ ، وَحَامِلِ الْقُرْآنِ غَيْرَ الْغَالِیْ فِيْهِ وَلَا الْجَافِیْ عَنْهُ ، وَاِكْرَامُ السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ)).

[أبو داود: كتاب الأدب، باب في تنزيل الناس منازلهم، رقم:٤٨٤٣، والبيهقي في شعب الإيمان، باب في رحم الصغير، رقم:١٠٩٨٦]

''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: بوڑھے مسلمان کی عزت وتوقیر کرنا، حامل قرآن یعنی حافظ ومفسر قرآن کا احترام واکرام کرنا جبکہ وہ قرآن میں زیادتی کرنے والا اوراس سے ہٹ جانے والا نہ ہو اور عادل بادشاہ کی تعظیم کرنا منجملہ اللہ ذوالجلال کی تعظیم ہے۔''

راوی الحدیث:

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا اسم گرامی عبداللہ بن قیس ہے، اشعر علاقہ حجاز کے ایک پہاڑ کا نام ہے، بعض حضرات کہتے ہیں کہ مدینہ سے ملک شام جاتے ہوئے راستے میں یہ پہاڑ پڑتا ہے، اسی کے قریب قبیلہ اشعر کا مسکن تھا، اس قبیلہ کے کچھ لوگ یمن چلے آتے تھے ان ہی میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے خاندان کے لوگ بھی تھے، یہ لوگ یمن ہی میں ایمان لے آئے تھے (معجم البلدان:١/١٩٨) جب ان لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے ہجرت مدینہ کا علم ہوا تو یمن سے سمندر کے راستے پچاس سے زائد لوگوں کا قافلہ مدینہ کے لیے نکلا، ان کی کشتی کو ہواؤں نے مدینہ کے قریب کسی ساحل پر پہنچانے کے بجائے ملک حبشہ پہنچا دیا، وہاں ان کی ملاقات حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھیوں

سے ہوئی، حضرت جعفر رضی اللہ عنہ اور وہ لوگ جو حبشہ ہجرت کر گئے تھے اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے کے لیے حبشہ سے روانہ ہوئے جب یہ لوگ مدینہ پہنچے اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوہ خیبر کے لیے تشریف لے جا چکے تھے تو یہ سب حضرات بھی خیبر ہی پہنچ گئے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اور ان کے ساتھی چونکہ حبشہ بھی پہنچ گئے تھے اور وہیں سے مدینہ آئے تھے اس لیے بعض حضرات نے ان کو مہاجرین حبشہ میں شمار کیا ہے۔

صحیحین میں روایت ہے کہ قبیلہ اشعر کے لوگ جب رات کو اپنے گھروں میں تلاوت قرآن کرتے ہیں تو میں ان کی آواز پہچان لیتا ہوں اور اسی آواز سے ان کے مکانات کو بھی جان جاتا ہوں، خواہ میں نے ان کو دن میں ان گھروں میں آتے جاتے نہیں دیکھا۔

اس قبیلہ اشعر کی تلاوت اور قراءتِ قرآن کی تعریف میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

اشعرون فی الناس کصرة فیها مسك.

''یعنی اشعر کے لوگوں کی مثال ایک مشک بھری ہوئی تھیلی کی ہے، جس کی خوشبو ہر سو پھیلتی رہتی ہے۔''

خاص طور پر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی تلاوت قرآن کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اللہ نے ان کو حضرت داود علیہ السلام کے خاندان کے لوگوں کی طرح حسن آواز اور خوش الحانی سے نوازا ہے۔'' (ترمذی)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے دعا فرمائی: ''اے اللہ! عبداللہ بن قیس کے گناہوں کو بخش دیجیے اور قیامت کے دن (جنت میں) اکرام کے ساتھ داخل فرما دیجیے۔'' (مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو یمن کا عامل بنا کر بھیجا تھا، حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں بھی وہ یمن ہی میں رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بصرہ کا حاکم بنایا پھر چار سال

تک بصرہ کے گورنر رہے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میرا کوئی حاکم ایک سال سے زیادہ کسی جگہ نہیں رہا، البتہ ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ چار سال بصرہ میں بحیثیت گورنر رہے۔

اہل بصرہ ان سے بہت خوش تھے حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: بصرہ میں کوئی حاکم بھی اہل بصرہ کے لیے ان سے بہتر نہیں آیا، بصرہ کے قیام کے زمانہ میں بڑی بڑی فتوحات ان کے ذریعہ ہوئی ہیں، اصبہان اور اہواز وغیرہ کے علاقے انہی کی سرکردگی میں فتح کیے گئے تھے، پھر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے آپ کو کوفہ کا گورنر بنایا۔

ذوالحج ۴۴ھ میں آپ کی وفات ہوئی۔

تشریح:

اس حدیث کے ذریعہ مذکورہ لوگوں کی تعظیم وتوقیر کی اہمیت کو ظاہر کیا گیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کی شان میں بے ادبی وگستاخی کرنا گویا کہ اللہ کی تعظیم کے منافی عمل کرنا ہے۔

حامل قرآن یعنی حافظ اور مفسر قرآن کی تعظیم کو اس امر کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے کہ نہ تو غلو کرنے والا ہو اور نہ قرآن پڑھنے پڑھانے کو ترک کرنے والا ہو بلکہ اعتدال ومیانہ روی کو اختیار کرنے والا ہو جیسا کہ تمام عبادات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ تھی چنانچہ غلو نہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ ریاکاروں کی طرح الفاظ کی تجوید اور حسن قراءت میں حد سے تجاوز نہ کیا جائے تلاوت اس قدر تیز نہ کی جائے کہ نہ تو الفاظ صحیح طور پر ادا ہوں اور نہ معنی سمجھ میں آئے قرآن کے الفاظ کے حروف میں تحریف کے ذریعہ خیانت کا ارتکاب نہ کیا جائے اور نہ غلط سلط تاویلات اور فاسد عقائد ونظریات کے ذریعہ اس کے معنی ومفہوم میں حذف واضافہ اور ترمیم وتبدیلی کی جائے جیسا کہ اکثر فاسد ذہن وفکر کے حامل لوگوں کا شیوہ ہے اور نہ قرآن کے احکام وہدایات کے بارے میں شکوک وشبہات اور وسوسے پیدا

کئے جائیں اسی طرح قرآن سے نہ ہٹنے کا مطلب یہ ہے کہ قرآن کی تلاوت کو ترک نہ کیا جائے تجوید وقراءت کے آداب وقواعد سے اعراض نہ کیا جائے اورقرآن نے جو احکام وہدایات اور مسائل بیان کئے ہیں ان پر عمل کرنے سے گریز نہ کیا جائے۔

بعض حضرات نے غالی (قرآن میں غلو کرنے والا) اس شخص کو قرار دیا ہے جو تعلیم وتدریس، تبلیغ واصلاح اور عبادت سے بالکل بے پرواہ ہو کر صرف تلاوت قرآن میں مشغول ومصروف رہے اسی طرح جافی (قرآن سے ہٹنے والا) اس شخص کو قرار دیا ہے جو تلاوتِ قرآن سے بالکل بے پرواہ اور گریزاں اور دوسری چیزوں میں مشغول رہے۔

''عادل بادشاہ'' سے مراد وہ حاکم سربراہ ہے جو حقیقی معنیٰ میں عدل کا پیکر ہو اور اپنے عوام پر ظلم وجور کو گوارہ نہ کرتا ہو اور اس کا کوئی فیصلہ اور کوئی عمل عدل وانصاف کے منافی نہ ہو اور یہ اعلیٰ درجہ ہے اس کا ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ اس کا عدل اس کے ظلم پر غالب ہو اس کے برخلاف اگر اس کا ظلم اس کے عدل پر غالب ہو تو اس کو عادل نہیں کہیں گے اور ایسے بادشاہ وحاکم سے دور رہنا ہی افضل ہوگا واضح رہے کہ اس دور کے اکثر حاکموں اور سربراہوں کے احوال ان کی حکومتی کاروائیاں اور ان کے نظم حکومت کو دیکھتے ہوئے ان کو ادنی درجہ کا عادل کہنا بھی بڑا مشکل ہے ان کی طرف سے اپنے عوام پر جو قوانین نافذ کئے جاتے ہیں اور جس طور پر ان کے کارندے عوام کے ساتھ سلوک کرتے ہیں ان کو اگر حقیقت کے آئینے میں دیکھا جائے تو عدل وانصاف سرنگوں اور ظلم وزیادتی کا غلبہ نظر آئے گا۔

مذکورہ بالا حدیث میں تین طرح کے لوگوں کی توقیر وتعظیم کرنے کے حکم کا ذکر ہے اور ''شرح السنۃ'' میں حضرت طاؤس رحمۃ اللہ علیہ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ یہ مسنون ہے کہ تم چار آدمیوں کی تعظیم وتوقیر کرو ایک تو عالم کی، دوسرا بوڑھے شخص کی، تیسرا سلطان وبادشاہ کی اور چوتھا باپ کی۔ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو نقل کرنے کے بعد

لکھا ہے کہ ''باپ'' کے حکم میں ماں بھی داخل ہے اور ''عالم'' سے مراد عالم باعمل ہے۔ مذکورہ بالا حدیث میں ''باپ'' کا ذکر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اول تو باپ کا معاملہ بالکل ظاہر ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ باپ کی تعظیم کرنی چاہیے دوسرا یہ کہ مستحق تعظیم قرار دینے کی زیادہ ضرورت انہی لوگوں کے حق میں ہے جو اجنبی ہوں اور جن سے کوئی قرابتی تعلق نہ ہو کیونکہ قرابت کا تعلق بجائے خود ایک انسان کو دوسرے انسان کی تعظیم وتوقیر کرنے پر مائل کرتا ہے لہذا اگر شخص کا باپ بوڑھا بھی ہو حامل قرآن یعنی حافظ وعالم باعمل بھی ہو اور سلطان وحاکم بھی ہو اور اس کا سلطان وحاکم ہونا خواہ اپنے ظاہری منصب کے اعتبار سے ہو یا باطنی وروحانی طور پر تو اس صورت میں اس شخص کو اپنے باپ کی بہت زیادہ تعظیم وتوقیر کرنی چاہیے کیونکہ اس کی ذات میں وہ کئی شخصیات جمع ہیں جو تعظیم وتوقیر کو لازم کرتی ہیں۔

اس حدیث میں مذکورہ لوگوں کی تعظیم کو منجملہ تعظیم الٰہی قرار دیا گیا ہے جبکہ ایک روایت کے مطابق اس تعظیم وتوقیر کو رسول اللہ ﷺ نے خود اپنی بھی تعظیم وتوقیر کے مترادف قرار دیا ہے۔ چنانچہ خطیب بغدادی رحمہ اللہ نے اپنی جامع میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((اِنَّ مِنْ اِجْلَالِی تَوْقِیْرُ الشَّیْخِ مِنْ اُمَّتِیْ)).

''اس بوڑھے شخص کی توقیر وتعظیم کرنا جو میری امت میں سے ہو منجملہ میری توقیر وتعظیم ہے۔

یتیموں سے شفقت کرنا

۳۸۔ عَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ رضی اللہ عنہ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ: ((مَنْ مَسَحَ رَأْسَ یَتِیْمٍ

لَمْ يَمْسَحْهُ إِلَّا لِلّٰهِ ، كَانَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ تَمُرُّ عَلَيْهَا يَدُهُ حَسَنَاتٌ ، وَمَنْ أَحْسَنَ إِلَى يَتِيمَةٍ أَوْ يَتِيمٍ عِنْدَهُ كُنْتُ أَنَا وَهُوَ فِي الْجَنَّةِ كَهَاتَيْنِ)). وَفَرَّقَ بَيْنَ إِصْبَعَيْهِ)).

[أحمد: ٥/ ٢٦٥، والترمذي: كتاب البر، باب ما جاء في رحمة اليتيم، رقم:١٩١٨]

''حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے کسی یتیم کے سر پر صرف اللہ کے لیے ہاتھ پھیرا تو سر کے جتنے بالوں پر اس کا ہاتھ پھرا ہر ہر بال کے حساب سے اس کی نیکیاں ثابت ہو گئیں اور جس نے اپنے پاس رہنے والی کسی یتیم بچی یا یتیم بچے کے ساتھ بہتر سلوک کیا تو میں اور وہ آدمی جنت میں ان دوانگلیوں کی طرح قریب قریب ہوں گے اور آپ نے اپنی دوانگلیوں کو ملا کر بتایا اور دکھایا۔''

راوی الحدیث:

آپ کا اسم گرامی صدی بن عجلان بن حارث ہے بعض کہتے ہیں ابن عجلان بن وہب ہے، ان کی کنیت ابوامامہ باہلی ہے، مصر میں کچھ عرصہ قیام فرمایا پھر حمص تشریف لے گئے۔ ۹۱ سال کی عمر میں ۸۶ھ کو فوت ہوئے، آپ شام میں فوت ہونے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے آخری صحابی ہیں۔

تشریح:

اس حدیث سے صراحت کے ساتھ معلوم ہوا کہ یتیموں کے ساتھ حسن سلوک پر جو روح پرور بشارت اس حدیث میں سنائی گئی ہے وہ اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ یہ حسن سلوک خالصاً لوجہ اللہ ہو۔ اس کو بھی قاعدہ کلیہ کی طرح اس طرح کی تمام ترغیبی اور تبشیری حدیثوں میں ملحوظ رکھنا چاہیے۔

یتیموں کو کھانا کھلانا

۳۹۔ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ عنہما قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم: ((مَنْ اٰوٰی یَتِیْمًا إِلٰی طَعَامِہٖ وَشَرَابِہٖ أَوْجَبَ اللّٰہُ الْجَنَّۃَ الْبَتَّۃَ إِلَّا أَنْ یَّعْمَلَ ذَنْبًا لَا یُغْفَرْ)).

[البغوی فی شرح السنۃ: کتاب الاستئذان، باب ثواب کافل الیتیم، رقم:۳٤۵۷]

''حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ کے جس بندے نے مسلمانوں میں سے کسی یتیم بچے کو لے لیا اور اپنے کھانے پینے میں شریک کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کو ضرور بالضرور جنت میں داخل کرے گا الا یہ کہ اس نے کوئی ایسا جرم کیا ہو جو ناقابل معافی ہو۔''

راوی الحدیث:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے حبر الامہ امام التفسیر وترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن بن عباس رضی اللہ عنہما کی ولادت ہجرت سے تین سال قبل ہوئی اپنے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور والدہ ام الفضل رضی اللہ عنہا کے ساتھ فتح مکہ سے کچھ پہلے ہجرت کر کے مدینہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم چلے آئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت ان کی عمر کل ۱۳ سال تھی، ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہنے کا موقع تو بہت کم ملا، لیکن ذوق وشوق اور طلب علم نے اس کمی کی تلافی کر دی۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو جو دعائیں زبانِ نبوت سے ملی ہیں ان کی مثال کہیں مشکل سے ہی ملے گی اور یہ انہیں دعاؤں کا نتیجہ تھا کہ اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کو حبر الامہ، ترجمان القرآن، بحر العلم، امام التفسیر جیسے الفاظ سے یاد کرتے تھے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

نعم ترجمان القرآن ابن عباس لو ادرك اسناننا ما عشره هنا أحد۔

(تذکرۃ الحفاظ: ۱/ ٤٠، فتح الباری: ۷/ ۱۰۰)

''ابن عباس رضی اللہ عنہما بہترین مفسر قرآن ہیں، اگر وہ ہم لوگوں کی عمر پاتے تو ہم میں سے کوئی بھی ان کے مساوی نہ ہوسکتا تھا۔''

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے زیادہ حاضر دماغ، عقلمند، صاحب علم اور حلیم و بردبار شخص نہیں دیکھا۔ (سیر اعلام النبلاء: ۳/ ۳٤۷)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے جب کوئی مسئلہ پوچھتا تو کہتے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھو، **هو اعلم الناس بما انزل على محمد** صلی اللہ علیہ وسلم ۔ وہ قرآن کے سب سے بڑے عالم ہیں۔

حضرت مجاہد تابعی رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو ان کے علم کی وجہ سے لوگ بحر العلوم کہتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا شماران چھ، سات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں ہے جن کو **مکثرین فی الحدیث** کہا جاتا ہے اور ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ٦٦ یا اس سے بھی زیادہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بہت حسین وجمیل اور وجیہ تھے، ٦٨ھ میں طائف میں وفات پائی، حضرت محمد بن الحنفیہ (جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے صاحبزادے ہیں) نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔

تشریح:

اس حدیث سے صراحتًا معلوم ہوا کہ یتیم کی کفالت و پرورش پر داخلہ جنت کی قطعی بشارت اس شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ وہ آدمی کسی ایسے گناہ کا مرتکب نہ ہو جو اللہ کے نزدیک ناقابل معافی ہو (جیسے شرک وکفر اور خون ناحق وغیرہ) دراصل یہ شرط اس طرح کی تمام تبشیری حدیثوں میں ملحوظ ہوتی ہے اگرچہ الفاظ میں مذکور نہ ہو بہرحال اس طرح کی

تمام ترغیبی اور تبشیری حدیثوں میں بطور قاعدہ کلیہ کے اس کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

مسلمان کو بے عزتی سے بچانا

۴۰۔ عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ رضی اللہ عنہ قَالَ: سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ يَقُوْلُ: ((مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَرُدُّ مِنْ عِرْضِ أَخِيْهِ اِلَّا كَانَ حَقًّا عَلَى اللّٰهِ اَنْ يَّرُدَّ عَنْهُ نَارَ جَهَنَّمَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ)) ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْاٰيَةَ ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾۔ (الروم:۴۷)

[بغوی فی شرح السنة: كتاب الإستئذان، باب الذب عن المسلمين، رقم:۳۵۲۸]

''حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جو مسلمان کسی کو اپنے مسلمان بھائی کی آبروریزی یعنی اس کی غیبت کرنے سے روکے اور اس کا دفعیہ کرے تو اللہ پر اس کا حق ہے کہ وہ قیامت کے دن اس سے دوزخ کی آگ کو دور کرے پھر رسول اللہ ﷺ نے (اپنے قول کَانَ حَقًّا کو ثابت کرنے کے لیے) یہ آیت پڑھی ﴿وَكَانَ حَقًّا عَلَيْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ یعنی (اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ) مومنین کی مدد کرنا ہم پر واجب ہے۔''

راوی الحدیث:

آپ کی کنیت ابوالدرداء اور نام عویمر بن عامر ہے، انصاری اور خزرجی ہیں کنیت سے ہی مشہور ہیں، آپ کو اس امت کا حکیم کہا جاتا ہے جنگ بدر کے بعد اسلام قبول کیا، آپ نے براہِ راست رسولِ مکرم ﷺ سے قرآن حفظ کیا تھا، اہل شام کے عالم اور قرآن کے معاملے میں اہل دمشق کے استاد تھے۔

رسول اللہ ﷺ نے آپ کے اور سلمان فارسی رضی اللہ عنہ کے درمیان عہد مواخاۃ قائم کیا تھا آپ کا اپنا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے تو میں تجارتی کاروبار کرتا تھا میں

تجارت اور عبادت دونوں کو ساتھ ساتھ جاری رکھنا چاہتا تھا، لیکن دونوں باہم نہ چل سکیں، چنانچہ میں نے تجارت ترک کر دی اور عبادت میں مصروف ہو گیا، اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے شوق میں موت کو، تواضع اور فروتنی کے لیے فقر کو اور گناہ معاف کرانے کے لیے بیماری کو دوست رکھتا ہوں۔

قاسم بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں: حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کا ان لوگوں میں شمار ہوتا تھا جنہیں فراوانی کے ساتھ علم عطا ہوا ہے، حضرت لیث ایک آدمی کا قول نقل کرتے ہیں کہ میں نے ابوالدرداء رضی اللہ عنہ کو مسجد میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا ان کے ساتھ اتنے آدمی تھے جیسے کسی بادشاہ کے ساتھ لوگ ہوتے ہیں۔ یہ سب آپ سے مسائل دریافت کرنے کے لیے آئے تھے۔

آپ نے عمر کا آخری حصہ دمشق میں گزارہ اور وہیں ۳۲ھ میں وفات پائی۔

تشریح:

اس حدیث میں نبی مکرم نے ایک مسلمان پر دوسرے مسلمان کے ایک ایسے حق کی نشاندہی کی ہے جس سے اکثر لوگ غفلت برتتے ہیں۔ اور ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حق کے ادا کرنے والے کو ایسی خوشخبری دی ہے جو ہر مسلمان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر کسی مسلمان کے سامنے اس کے مسلمان بھائی کی بے عزتی ہو رہی ہو اور وہ مسلمان اپنے مسلمان بھائی کی توہین اور بے عزتی نہ کرنے دے تو کل قیامت کے دن اللہ رب العزت ایسے مسلمان سے جہنم کی آگ کو بہت دور کر دے گا یعنی وہ شخص جہنم جانے سے بچ جائے گا۔ لیکن اس قسم کی احادیث سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ اگر کوئی مسلمان اپنے فرائض وواجبات ادا نہ کرے اور صرف کسی مسلمان بھائی کی توہین اور بے عزتی کرنے سے اگلے کو روک دے تو وہ جنت چلا جائے گا اور جہنم سے بچ جائے گا بلکہ ان جیسی

احادیث کا اصل مقصد یہ بات سمجھانا ہوتا ہے کہ جس طرح فرائض اور واجبات جہنم سے بچانے اور جنت میں لے جانے کا ذریعہ ہیں اسی طرح اسے یہ مذکورہ کام بھی جنت لے جانے اور جہنم سے بچانے کا ذریعہ ہے۔ مگر اکثر مسلمان ایسے ہیں کہ جب ان کے سامنے کسی مسلمان بھائی کی توہین اور بے عزتی کی جاتی ہے تو بجائے اس کا دفاع کرنے کے ساتھ مل کر اس کی توہین کرتے ہیں یا پھر اطمینان سے اس کی باتوں کا لطف اٹھاتے ہیں۔ حالانکہ اگر یہ لوگ کسی مسلمان بھائی کی توہین اور بے عزتی پر لطف اندوز ہونے کی بجائے اس توہین کرنے والے کو روکیں اور اپنے مسلمان بھائی کی عزت کی حفاظت کریں تو بدلہ میں جو بشارت نبی مکرم ﷺ کی سچی اور پاکیزہ زبان سے دی گئی ہے وہ کم نہیں ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اپنا حق ادا کرتے ہوئے اس عظیم بشارت کے مستحق بنیں۔

العبد العاجز

محمد علی جانباز

جامعہ رحمانیہ ناصر روڈ سیالکوٹ

اپریل 2008ء